آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۰۶ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور - ۲۰ - جون سنہ ۱۹۰۶ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ ۶ -

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۴۔ مئی ۱۹۰۶ء۔ ھل اتٰک حدیث الزلزلۃ۔ اذا زلزلت الارض زلزالھا۔ واخرجت الارض اثقالھا۔ وقال الانسان ما لھا۔ یومئذٍ تحدّث اخبارھا بانّ ربک اوحٰی لھا۔ ترجمہ۔ کیا تجھے زلزلہ کی خبر پہنچی نہیں کہ کس طرح واقع ہوگا۔ زمین ایک سخت دھکا دی جائے گی اور زمین جو کچھ اس کے اندر ہے۔ باہر پھینک دے گی یعنی اکثر جگہ ایسا ہوگا۔ تب انسان کہے گا کہ آج زمین کو کیا ہو گیا۔ وہ متفرق طریقوں سے باہر چلی گئی ہے۔ (یعنی انسانوں پر حیرت طاری ہو جائے گی کہ انکے علوم اور تجارب کی حد سے باہر ظہور میں آئیگا۔ اس دن زمین اپنا قصہ بیان کریگی۔ کہ اس پر کیا آفت آئی۔ کیونکہ خدا اپنے رسول کو اس کے ما فی الضمیر کا ترجمان بنائیگا اور اس رسول کو وحی کریگا کہ کس باعث یہ غیر معمولی آفت ظہور میں آئی۔ اور پھر خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ یہ سب نشان تیرے لئے زمین پر ظاہر کئے جائینگے تا زمین کے لوگ تجھے شناخت کر لیں۔ ۱۸۔ مئی ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا میں دیکھا کہ کوئی شخص طاعون کے متعلق کہتا ہے۔ اب تک پیچھا نہیں چھوڑتی۔ (۲) زندگی کے آثار۔ اس وحی الٰہی کے تھوڑی دیر بعد سیٹھ عبد الرحمٰن صاحب کا مدراس سے تار آیا جس میں سیٹھ صاحب کی بیماری سے افاقہ کی خبر تھی۔ فرمایا۔ پہلے خدا کا تار پہنچا۔ اور پیچھے بندوں کا۔ اس الہامی خبر سے صرف یہ سمجھا گیا کہ جس مضمون کا تار روانہ کیا گیا تھا اس مضمون سے خدا نے اطلاع دیدی۔ ۲۰۔ مئی ۱۹۰۶ء (۱) انّی مع الافواج اٰتیک بغتۃ۔ ترجمہ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا۔ (۲) اریک زلزلۃ الساعۃ انّی احافظ کلّ من فی الدّار۔ ترجمہ۔ میں تجھے وہ زلزلہ دکھاؤں گا۔ جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ میں ان سب کی حفاظت کرونگا جو اس گھر میں ہیں۔ ۲۲۔ مئی ۱۹۰۶ء تردّ علیک انوار الشباب۔ سیاتی علیک زمن الشباب۔ وان کنتم فی ریبٍ مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بشفاءٍ من مثلہ۔ رُدّ علیہا روحہا و ریحانہا۔ یعنی تیری طرف نوجوانی کے یعنی قوتیں جوانی کی رد کی جائیں گی اور تیرے پر زمانہ جوانی کا آئیگا یعنی جوانی کی قوتیں دیجائیں گی تا خدمت دین میں حرج نہو۔ اور اگر تم اے لوگو! ہمارے اس نشان سے شک میں ہو تو اس کی نظیر پیش کرو۔ اور تیری بیوی کی طرف بھی صحت اور تازگی رد کی جائے گی فقط۔ ان الہامات کا باعث یہ ہے کہ عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہو گئی ہے بجز دو وقت ظہر اور عصر کے نماز کے لئے بھی نہیں جا سکتا۔ اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دوران سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے جسم بالکل بیکار ہو رہا ہے اور جسمانی قوی ایسے مضمحل ہو گئے ہیں۔ کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں اور آخری وقت ہے۔ اور ایسا ہی میری بیوی ام المرضیٰ ہے امراض رحم و جگر دامنگیر ہیں۔ پس میں نے دعا کی تھی کہ خدا تعالیٰ وہ مجھے پہلی قوت جوانی کے عالم کی عطا کرے تا میں کچھ خدمت دین کر سکوں اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے بھی دعا کی تھی۔ اُس دعا پر یہ الہام ہوئے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے۔ خدا تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عیسائی مذہب میں ریوائول یا نئی زندگی

آج کل عیسائیوں میں ریوائول یعنی ایک نئے نفخ روح کا بہت چرچا ہے۔ کسی عیسائی اخبار کو اٹھا کر دیکھو تو اس کے کالموں کے کالم مجالس ریوائول کے ذکر سے بھرے ہوئے پاؤ گے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب سے پینتکست کے دن حواریوں پر روح القدس کا نزول بڑی آندھی کی آواز کے ساتھ اور آگ کی زبانوں کے ذریعہ ہوا تھا اس وقت سے آج تک ایسا عظیم الشان نزول روح کا کسی زمانہ میں نہیں ہوا۔ ان مجالس میں جو ریوائول کی غرض سے منعقد کیجاتی ہیں بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگ کبھی روتے اور کبھی قہقہے لگا کر ہنستے ہیں اور اکٹھے بلند آوازوں سے گیت گاتے ہیں اور درد ناک اضطراب سے دعائیں کرتے ہیں۔ بیخودی کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ کانپتے ہیں۔ ناچتے ہیں۔ چیختے ہیں چلاتے ہیں اور اور ایسی ہی دیوانگی کی حرکات کرتے ہیں جس کی وجہ نزول روح القدس بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تو یہ مسیحؑ کی آمد ثانی کی علامات ہیں گویا کلیسیا مسیح کی آؤ بھگت کے لئے تیاری کر رہی ہے۔ اور بعض کے نزدیک مسیح کی آمد ثانی سے مراد یہی کلیسیا کی ریوائول یا تازہ زندگی ہے اور وہ وعدہ اسی طرح روح القدس کے نازل ہونے سے پورا ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس ریوائول کو عیسائی مذہب کی صداقت پر بڑی بھاری دلیل سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ ایک قوت قدسی عمل کر رہی ہے اور بہت سے گنہگار اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی پاتے جاتے ہیں۔ ان دعاوی کی وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب میں اس نئی تحریک کے متعلق ناظرین کو کسیقدر تفصیلی علم دیا جاوے اور اس کی اصل حقیقت کو کھول کر بیان کیا جاوے۔

دو امور ہیں جن سے ریوائول کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ کس قسم کے لوگ ان مجالس میں عموماً شامل ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کونسی طرز اختیار کی گئی ہے۔ ان دونوں امور کے متعلق میں صرف عیسائیوں کی اپنی تحریروں سے جو ریوائول کی تعریفوں سے پُر ہیں چند اقتباس پیش کر کے استدلال کروں گا۔ امر اوّل کے متعلق کہ کس قسم کے لوگ عموماً ان مجالس میں شامل ہوتے ہیں مفصلہ ذیل نوٹ جو اخبار کرسچین پیٹریٹ مدراس میں ایک

۱۔ ریوائول جس کے لفظی معنے تجدید یا از سر نو زندہ کرنے کے ہیں۔ عیسائیوں نے ایک خاص اصطلاح کے رنگ میں اس کا استعمال کیا ہے۔

مجلس ریوائول کے ذکر میں ہے کافی روشنی ڈالنے والا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اس غم کو ضبط کر سکتی ہیں جو گناہ کے لئے ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس خوشی کو ضبط کر سکتی ہیں جو نجات کے سبب سے ان کے دل محسوس کرتے ہیں وہ بلند آواز سے روتی ہیں پھر زور سے ہنستی ہیں۔ کبھی انپر لرزہ آجاتا ہے کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں اور بعض خوشی کے ساتھ ناچتی ہیں"۔ اس کیفیت کو پڑھکر ہر ایک انسان کے دل میں جو غور اور فکر سے کام لے گا یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مسیحیت کے پُرجوش حامی اپنے اس نئے جوش میں ہسٹیریا اور مرگی کے ابتدائی معمولی عوارض کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کر رہے ہیں۔ اسی قسم کی غلطی انجیل نویسوں نے حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کی طرف بھی منسوب کی ہے یعنی یہ کہ جس شخص کو صرع کا دورہ ہوا اس کی نسبت انکا خیال تھا کہ بھوت اس میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب ہم مجالس ریوائول کے حالات کو اور بھی غور سے پڑھتے ہیں تو یہ شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے کیونکہ جہاں کہیں ریوائول کی کامیابی ہوئی ہے وہ لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں کے ان حرکات سے ہی ہوئی ہے چنانچہ چند حوالے جو مذکورہ بالا اخبار سے ہی لئے گئے ہیں اس کو تمامتر صفائی سے ثابت کرتے ہیں۔ "دیکھنے والوں کی یہ رائے تھی کہ بالخصوص مدرسہ کی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد پر واقعی روح القدس کا نزول ہوا تھا"۔ "مدرسہ کا روزانہ کام جو جماعت میں کیا جاتا تھا اس کو چھوڑ دیا گیا اور ۷۵ لڑکیوں میں سے قریباً ہر ایک لڑکی نے جو بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہے نئے طور پر مذہب میں داخل ہونے کا اقرار کیا۔ امریکن میتھوڈسٹ انسٹیٹیوشن میں بہت سے لڑکے عیسائی ہو چکے ہیں اور اب دوسروں کے لئے کام کر رہے ہیں"۔ "بعض نئے گیت گائے گئے اور ان کا نام آسمانی گیت یا فرشتوں کا گیت رکھا گیا کیونکہ اول انکو بعض لڑکیوں نے گایا تھا جو بیخودی کی حالت میں تھیں"۔ "وہ نوجوان لڑکی جس کو خدا نے ایسے حیرتناک طریق سے استعمال کیا ہے وہ بھی وہاں موجود تھی"۔ "ہمارے بہت سے لڑکے جن پر ریوائول میں برکت نازل ہوئی تھی وہ اب تک قائم ہیں۔ بعض پہلی حالت کی طرف رجوع کر گئے ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ جسقدر وعظ یتیم لڑکے اب کرتے ہیں اس قدر پہلے انہوں نے کبھی نہیں کیا۔ یہ وعظ صرف ان لوگوں کو ہی نہیں کیا جاتا جو گروہ در گروہ بعض وقت ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی تعداد تک قحط سے مجبور ہو کر مشنوں سے مدد مانگنے آتے ہیں۔ اور جن کو مشنوں کے یتیم لڑکے پُرجوش الفاظ میں خدا کی محبت کی کہانی سناتے ہیں"۔ "میں یہ چند سطریں مکتی کے مقام سے لکھ رہی ہوں جہاں لڑکیوں اور عورتوں کو میں وعظ کر رہی ہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لڑکیاں اور عورتیں ابھی حالت کفر سے عیسائی مذہب میں داخل ہوئی ہیں اور ان کی پہلی حالت اکثر صورتوں میں ایک نہایت ذلت کی حالت تھی"۔ "ہم خدا کا شکر کر رہے ہیں کہ چنگلپٹ اور اس کے گرد و نواح میں ایک نئی روح کام کر رہی ہے خصوصاً بورڈنگ سکول کے لڑکوں اور لڑکیوں میں"۔

اب ان حوالجات سے معلوم ہوگا کہ روح القدس کی خاص نظر عنایت لڑکوں اور لڑکیوں پر ہی ہے اور جسقدر زور و شور سے روح القدس اپنا کام مدرسکے نوجوان لڑکوں اور کمزوردل لڑکیوں میں کر رہی ہے اس کی نظیر عیسائیوں میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے چلانے پر یا انکے گناہوں کے اقرار کرنے پر اسقدر نازاں ہو رہے ہیں۔ حالانکہ نہ انکا رونا ہی قابل اعتبار ہے اور نہ ہنسنا ہی۔ چند لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور ہنسنے کو روح القدس کے نزول سے تعبیر کرنا عجیب احمقانہ خیال ہے۔ روح القدس نہ ہوا بچوں کا کھیل ہوا۔ بہرحال ان حوالجات سے یہ ظاہر ہے کہ ریوائول کی مجالس میں وہی لوگ زیادہ اثر بیرونی تحریکات کا قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور ہیں اور جن کی دماغی حالت اس قابل نہیں کہ وہ کسی بیرونی تحریک کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ صورت نہ صرف ہندوستان میں ہی ہے بلکہ باہر بھی جہاں جہاں ریوائول کا تذکرہ پایا جاتا ہے وہاں صرف وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جن کے دل اور دماغ بچپن کی وجہ سے کمزور ہیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ٹاری نے جو امریکہ کا مشہور ریوائول لیڈر ہے خود ایک وعظ کے اثنا میں فلاڈلفیا میں یہ بیان کیا۔ کہ دنیا میں سب سے زیادہ سخت لوگ ریوائول کا اثر قبول کرنیکے لئے وہ لوگ ہیں جو تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ شرابخور آدمی اور زناکار عورت آسانی سے اثر قبول کر لیتے ہیں مگر کالجوں کے گریجوایٹوں اور مذہبی طالب علموں پر اثر ڈالنا بہت مشکل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شرابخوری اور زناکاری سے دل اور دماغ بالکل کمزور ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مجالس ریوائول کا اثر ان لوگوں پر آسانی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے اعتدالیوں سے خود اپنے دلوں اور دماغوں کو اسقدر کمزور بنا چکے ہیں کہ وہ ہر قسم کا اثر آسانی سے قبول کر سکتے ہیں۔ پس مجالس ریوائول میں جب کوئی آدمی رونے لگتا ہے تو ان کو بھی رونا آ جاتا ہے کوئی ہنسنے لگتا ہے تو وہ بھی ہنس پڑتے ہیں۔ کوئی ناچنے لگتا ہے تو وہ بھی ناچنے لگ جاتے ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ انسان جو ہر ایک امر کی حقیقت پر غور کرنے کے قابل ہوتے ہیں وہ کسی طرح ایسی بیہودہ حرکات سے اثر پذیر نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہی ویلز میں محققین غور سے تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ زیادہ تعداد مجالس ریوائول میں ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کمزور دل ہوتے ہیں یا وہ دھوکا باز لوگ بہت ہوتے ہیں جو ظاہر میں اپنے آپ کو نیک اور متقی دکھانا چاہتے ہیں اور انکے دلوں میں ریوائول کی ذرہ بھر بھی عظمت نہیں ہوتی۔ اور ان لوگوں کی تعداد جو واقعی ریوائول کی سچائی پر یقین رکھتے ہوں بہت ہی تھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں میں نسبتاً زیادہ لوگ پاگل ہوتے ہیں جس سے اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کہ دماغی حالتیں ان لوگوں کی عموماً اچھی نہیں ہوتیں۔

دوسرا امر غور طلب جس سے ریوائول کی حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ہے کہ مجالس ریوائول کس طرح پر ہوتی ہو

اور ان میں کیا کیا کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اس امر پر غور کرنے سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں جو اوپر بیان ہوا۔ مجالس ریوائول میں جو جوش اور اضطراب پایا جاتا ہے وہ عموماً دیوانگی کی حالت تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص بڑے زور سے رونا شروع کرتا ہے دوسرے لوگ اس کے رونے سے اثر پذیر ہو کر اس کے ساتھ مل جاتے ہیں اور مجلس میں تعزیہ داری کی مجالس کی طرح گریہ و بکا کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یکایک یہ حالت بدل جاتی ہے اور ایک شخص دیوانہ وار ہنسنا شروع کر دیتا ہے اور دوسرے لوگ بھی مل جاتے ہیں اور نجات کی ہمی خوشی میں ساری مجلس میں قہقہے لگنے شروع ہوتے ہیں۔ پھر ایک شخص یکایک کانپنے لگ جاتا ہے اور دوسرے یہ خیال کر کے کہ اس پر روح القدس نازل ہو گئی ہے اسکی نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ وہ روح القدس کے نزول سے خالی نہ رہ جاویں۔ پھر نظارہ بدل جاتا ہے اور سب لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی دیوانہ وار ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب ناچ کر تھک جاتے ہیں تو پھر گانا شروع کر دیتے ہیں یا دعا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور جب یہ سب کچھ کر چکتے ہیں تو سب اسبات کو فرض کر کے کہ انکے گناہ یسوع مسیح لے گیا۔ بے اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اخبار کرسچین پیٹریٹ کے مندرجہ ذیل رپورٹوں سے ان سب باتوں کی شہادت ملتی ہے۔

روح سے بھری ہوئی لڑکیاں نہ اپنے گناہوں کے لئے جو غم ہوتا ہے اسے اور نہ جو نجات کے لئے خوشی ہوتی ہے اسے ضبط میں رکھ سکتی ہیں وہ پہلے زور سے چلانا شروع کرتی ہیں پھر بلند آواز سے ہنسنے لگ جاتی ہیں کبھی کانپنے لگ جاتی ہیں۔ بعض خوشی سے ناچنا شروع کر دیتی ہیں اور قریباً سب کی سب بلند آوازوں سے اکٹھی ہو کر دعائیں مانگتی ہیں" میرانگ کے جلسہ ریوائول کے متعلق جسے سب سے بڑا جلسہ کہا جاتا ہے اور جہاں روح القدس کا نزول نہایت زبردست بیان کیا جاتا ہے یہ لکھا ہے کہ بہت آدمی حاضرین کے درمیان کھڑے ہو کر کئی کئی گھنٹوں تک ناچتے رہے۔ ایک دوسرے جلسے کے متعلق لکھا ہے کہ" دس دن کے کامل انتظار کے بعد روح گذشتہ منگل کو یقیناً نازل ہوئی۔ مجلس کی خصوصیت یہ تھی کہ خوشی اور مدح کے گیت گائے جاتے تھے۔ اور صرف یسوع کا ہی ذکر ہوتا تھا۔ جو لڑکے ہمیشہ سے چپ چاپ اور خاموش رہنے والے تھے۔ انہوں نے بھی گانا اور ناچنا شروع کر دیا اور تب سے آج تک انکی یہی حالت ہے۔" آسام کے ریوائول کے متعلق پادری جونز لکھتا ہے "میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی عجیب جلسہ ہے اور اس طرح کا دوسرا جلسہ ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہاں کوئی باقاعدہ عبادت نہ ہو گی یہ بالکل ناممکن ہے۔ لوگ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ گاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور ناچتے چلے جاتے ہیں۔ بہت لوگ بالکل بیخودی کی حالت میں ہو جاتے ہیں اور کانپنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور انکی حالت ایسی ہوتی ہے کہ آدمی انکو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ اس وقت لوگ ایک مذہبی جوش (دیوانگی) کی حالت میں ہیں اور کوئی آدمی انسے ایک لفظ بھی بول نہیں سکتا۔ ایک یا دو سفید پادریوں کی بھی یہی حالت ہو رہی ہے۔"

خاصیتیں کے جلسۂ ریوائول کا ذکر پھر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "انکے گانے کو سنو یہ صرف دو یا تین فقروں کا ایک راگ ہے
مگر قریباً ایک گھنٹہ میں ختم ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی سطر سیکڑوں دفعہ پڑھی جاتی ہے اور سب کے سب لوگ اس
خوشی کے راگ میں از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ ایک راگ نے جو ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ "صرف یسوع ہی میری تمام
حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے"، بعض لوگوں کو خوشی کے مارے دیوانہ بنا دیا۔ بہت سے عیسائی پہلے پہل انکے ناچنے کو
دیکھ کر سخت حیران ہوتے ہیں بلکہ انکی ان حرکات کا نام ناچنا رکھنے میں بھی تامل ہے۔ وہ اپنے جسموں اور ہاتھوں اور
پیروں کو عجیب طرح سے ادھر اُدھر ہلاتے ہیں۔ مگر انکی ان حرکات میں ایک چیز عجیب دلکش ہے۔ سیکڑوں
لوگ بالکل بیخود ہو جاتے ہیں۔ اور انکو کانپتے اور ہلتے ہوئے دیکھنا ایک نہایت ہی دردناک نظارہ ہے مگر وہ اس بات کو
محسوس نہیں کرتے۔ اس کانپنے اور بیخودی کی کوئی وجہ میں نہیں بتا سکتا مگر میرا یقین ہے کہ روح اسقدر طاقت
سے انپر نازل ہوتی ہے کہ انکے کمزور جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے"

ان واقعات کو پڑھکر کوئی شخص مجالس ریوائول میں شریک ہونیوالوں کی دیوانگی پر شبہ نہیں کر سکتا۔
مگر مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ جو لوگ ان دیوانگی کی حرکات کو روح القدس کا نزول بتلاتے ہیں وہ خود بھی انہیں کے
ساتھی ہیں۔ یہ پہلے دکھایا جا چکا ہے کہ وہی لوگ ان مجالس میں زیادہ اثر قبول کرتے ہیں جو دلوں کے کمزور
ہیں یا جن کی دماغی حالتیں اچھی نہیں ہیں۔ پادری جونز صاحب کہتے ہیں کہ انکے کمزور جسم روح القدس کے
طاقتور نزول کی برداشت نہیں کر سکتے مگر اصل بات یہ ہے کہ انکے کمزور دل اور دماغ ان تحریکات کی برداشت
نہیں کر سکتے جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہیں۔ اور بے بس ہو کر وہ ایسی حرکات دیوانگی کے مرتکب ہوتے ہیں۔
روح القدس کوئی بچوں کا کھیل ہے جو اسے سوائے چند نادان لڑکوں اور لڑکیوں یا چند کمزور دل کے آدمیوں اور
عورتوں کے پاس آنے کے اور کوئی شغل ہی نہیں۔ اور پھر اس نزول کا اظہار ان لغو حرکات یعنی رونا ہنسنا ناچنا
کانپنا دیوانہ وار بکواس کرنا وغیرہ امور میں فرض کرنا اور بھی حماقت ہے۔ یہ دیوانگی کے نظارے صرف مجالس
ریوائول سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جہاں کہیں اس قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوگا وہاں ہی ایسے نظارے بھی ہونگے۔
ہاں یہ سوال بیشک پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک ریوائول کی اس قدر دور دراز کے ملکوں میں ایک ہی وقت میں
کیونکر پھیل گئی اسکی وجہ صرف نقل ہے۔ جسطرح ایک ہی مجلس میں ایک آدمی سے دوسروں کو یہ مرض لگ جاتی
ہے اسی طرح ایک جگہ کی مجلس کا ذکر پڑھکر دوسرے مقاموں میں اسکی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً جب ایک
مجلس میں ایک آدمی کھڑا ہوتا ہے اور جن سیاہ کاریوں کا ارتکاب کیا ہوا ہوتا ہے انکا خیال دلپر غالب آکر
اس کا دل اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ تو دوسرے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پر
روح القدس کا نزول ہو گیا ہے پس وہ روح القدس سے خالی رہنا نہیں چاہتے اور انکے کمزور دل بھی دوسرے

شخص کے رونے اور چلّانے سے موثر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس کی وہ بھی اس کی نقل کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور یہ مرض سب میں پھیلنے لگ جاتی ہے۔ اس مجلس کی رپورٹ تمام عیسائی اخباروں میں شائع ہوتی ہے اور اس کے واقعات کو عجیب عجیب رنگ دیکر بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ روحانیت اس مذہب میں اسقدر مردہ ہو چکی ہے کہ اب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے والی مثال پر عمل کر کے ہر ایک بات سے عیسائی مذہب کی روحانیت نکالی جاتی ہے۔ پس جب اس مجلس کی کارروائی اخباروں میں شہرت پاتی ہے تو اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ ولولہ اُٹھتا ہے کہ وہ بھی اس نیک نامی اور شہرت کو حاصل کریں نقل کرنیکی عادت تو انسانی فطرت میں ہے ہی۔ مگر اس سے بڑھکر نیک بنکر شہرت حاصل کرنیکی خواہش ہے۔ یہ دونوں باتیں ملکر اس امر کی محرک ہوتی ہیں کہ اس قسم کی مجالس جن کو روح القدس کے نزول کا فخر حاصل ہوا ہے دوسری جگہ بھی منعقد کی جاویں چنانچہ پہلے اس قسم کی تحریک کیجاتی ہے کہ فلاں جگہ ریوائول مجلس ہوئی اور اسطرح کی حرکات لوگوں نے کیں اور کہ یہ روح القدس کا نزول تھا پس جب سننے والوں کے دلوں میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے تو ایسی طبیعتیں جو زیادہ اثر پذیر ہونیکے قابل ہوتی ہیں ریوائول مجلس کا نقشہ دوسری جگہ قائم کر دیتی ہیں۔ اور ایک متعدی مرض کی طرح ریوائول کی مرض شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ جبتک عیسائی صاحبان ان ریوائول مجالس کی تعریف کر کے انکو آسمان پر چڑھاتے رہیں گے اور حرکات دیوانگی کو روح القدس کے نزول کا سبب بتاویں گے ضرور ہے کہ ہر جگہ لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش روح القدس کیجائے نزول بننے کی ترقی کرتی جاوے۔ لیکن اگر پادری صاحبان آج تھوڑی سی اخلاقی جرأت کو کام میں لاکر یہ اعلان کر دیں کہ مجالس ریوائول محض لغو اور بیہودہ ہیں اور ان میں جو حرکات کی جاتی ہیں وہ حرکات دیوانگی سے بڑھکر کوئی وقعت نہیں رکھتیں تو بہت تھوڑے دنوں میں یہ خیالی نزول روح القدس کا بند ہو کر مرض ریوائول کی بیخکنی ہو جاوے گی۔ اور وہ کمزور دل لوگ جو اب چیخنے ناچنے اور کانپنے میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں کسی اور مفید کام میں لگ جاویں گے۔

یہ واقعات جنکا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ خود عیسائی اخباروں کے ریوائول نوٹس میں سے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ اخبار کرسچین ہیٹریٹ مدراس۔ ۱ فروری ۱۹۰۶ء کے پرچہ میں ریوائول لیڈروں کو ہدایات دیتا ہوا لکھتا ہے "ریوائول کی خبریں ہندوستان کے اکثر عیسائی ہفتہ وار اخبارات میں ہوتی ہیں اور ریوائول کے خارجی نقشے نئے نئے رنگ دیکر کھینچے جاتے ہیں۔ پس عیسائی کارندوں کے سامنے یہ خطرہ ہے کہ ان خارجی علامات کو روح القدس کے نزول کی لازمی علامات سمجھکر وہ اپنے لوگوں کو مجبور کریں گے یا ان کو ترغیب دیں گے کہ وہ بھی وہی ظاہری حالات اختیار کریں۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ لوگوں کو جب اطلاع ملتی ہے کہ دوسرے مقامات پر ریوائول کے

فلاں فلاں خارجی لوازمات ہیں۔ تو وہ بھی اپنے آپ کو انہیں باتوں کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کرتے ہیں"۔ یہ بھی اس اخبار میں بیان کیا گیا ہے کہ اول اول ریوائول کس طرح ہوتا ہے اور اس کی تحریک کیا ہوتی ہے۔ اسٹریلیا کے ریوائول کا ذکر کرتے ہوئے ایک شخص اخبار مذکور کو لکھتا ہے "اب تم یہ پوچھوگے کہ یہاں ریوائول کی ابتدا کس طرح ہوئی ہم نے مس ٹی کے بائبل کلاس ممبروں کو یہاں مدعو کیا۔ چاء کے بعد راگ گائے گئے اور دعائیں کی گئیں اور ویلز کے ریوائول پر لیکچر دیئے گئے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد انسانی کوششوں سے بالکل الگ جب ہم دعائیں کر رہے تھے روح القدس طاقت میں نازل ہوا۔ اور جب ہم نے سات آدمیوں یعنی دو مردوں اور پانچ لڑکیوں کو نجات کے لئے چلاتے ہوئے سنا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ مسیح انکے دلوں کے اندر داخل ہوگیا۔ اس وقت سے لے کر ہر ہفتہ میں انہیں امور کا اعادہ ہوتا ہے"۔

ریوائول کے لیڈر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو حرکات مجالس ریوائول میں ظاہر ہوتی ہیں وہ محض جسمانی نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ بعض لوگ گھنٹوں تک لرزہ کی اس حالت میں رہ کر جب ہوش میں آتے ہیں تو وہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ یہ ہے پادری صاحبان کے پاس دلیل کہ واقعی جو حرکات ایسے موقع پر سرزد ہوتی ہیں وہ روح القدس کے نزول سے ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کو نہ یہ معلوم ہے کہ روحانی حالت کس حالت کا نام ہے اور نہ ہی ان کو روح القدس کے نزول کی کیفیت کا کچھ پتہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہی حرکات جو دوسرے بعض جاہل فرقوں کے اندر پائی جاتی ہیں انہی کی نقل ریوائول کی مجلسوں میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا ایک فرقہ "پنٹیکسٹ کے ناچنے والے" کہلاتے ہیں۔ انکے ایک جلسہ کا حال ایک ایسا شخص لکھتا ہے جس نے بچشم خود ان حالات کو دیکھا ہے۔ یہ حال اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں حال میں ہی شائع ہوا ہے۔ راقم مضمون لکھتا ہے۔ "عبادت بھجنوں کے گانے سے شروع ہوئی۔ عورتیں ایک عجیب لہجہ میں گاتی تھیں مگر جس شخص نے مکتی فوج کے کسی جلسہ کو دیکھا ہوگا اسے انکے گانے میں کوئی نئی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ پہلا عجیب امر یہ تھا کہ کمرے کے پچھلے حصہ سے ایک چیخ آئی۔ "آہ! میں بہشت میں ہوں" اور ایک بیمار کمزور لڑکی جس کو بعد میں میں نے دیکھا کہ اندھی بھی تھی۔ کرسیوں کے درمیان میں سے ہوتی ہوئی ایک ناشائستہ حرکت کے ساتھ سامنے آموجود ہوئی۔ بھجن گائے جاتے تھے اور ان میں کبھی کبھی کسی کی چیخ کی آواز آتی تھی۔ اتنے میں ایک لڑکی چلائی۔ "آہ میں بہت خوش ہوں" اور کھلی جگہ میں آگے پیچھے پھرنے لگی اور اپنے ہاتھوں کو راگ کے سُر کے مطابق پھیلاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں کل کی کل عورتیں جو اگلی قطار میں تھیں ناچنے لگیں۔ جن میں سے ایک دو کسیقدر شرمیلا پن کے ساتھ ناچتی تھیں مگر سب کی سب پر ایک عجیب خوشی کی حالت طاری تھی۔ کبھی اوپر کو اچھلتی تھیں کبھی آگے بڑھتی تھیں کبھی پیچھے ہٹتی تھیں

اور کبھی چکر کھاتی تھیں۔"

اب اگر اس فرقہ کا نام ظاہر نہ کیا جائے تو ہر ایک شخص جس نے ریوائول کی مجالس کا کوئی ذکر پڑھا ہوگا اس ساری کیفیت کو کسی مجلس ریوائول کا ذکر ہی سمجھے گا۔ مگر کیا پادری صاحبان اس ناچنے اور گانے کو بھی روح القدس کی طرف ہی منسوب کریں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان لوگوں کو جاہل اور وحشی اور دیوانہ کا خطاب دیں گے۔ لیکن جب انہی باتوں کا اعادہ ریوائول کی مجالس میں ہوتا ہے تو ان کو روح القدس کے زبردست نزول کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسے مجالس ریوائول میں لڑکے اور لڑکیاں خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہم بچائے گئے اور نجات پا گئے ایسا ہی یہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح چیخیں ماری جاتی ہیں۔ وہی دیوانگی کی حرکات ہوتی ہیں وہی دیوانہ وار ناچنا اور اس کے ساتھ گانا اور دعا کرنا۔ عیسائیوں سے ہی یہ امر مخصوص نہیں بلکہ دیگر مذاہب کے جاہل فرقوں میں بھی ایسے ہی حالات مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ مثلاً نوشاہی فرقہ قادریہ کی ایک شاخ ہے۔ جو عموماً سال میں ایک دفعہ یا اس سے زیادہ اپنی مجالس قائم کرتے ہیں۔ ان مجلسوں میں قوال لوگ راگ گاتے ہیں۔ جن سے موثر ہو کر بہت لوگ بیخود ہو جاتے ہیں۔ پھر اس بیخودی کی حالت میں یکمرتبہ چیخ کر اسی قسم کی حرکات شروع کرتے ہیں جیسے مجالس ریوائول میں ہوتی ہیں۔ تب ان کو پکڑ کر پاؤں سے رسّا باندھ کر کسی درخت پر سر نیچے کر کے لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں وہ دیر دیر تک خوب زور سے جھولتے رہتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد انکی بیخودی دور ہو جاتی ہے تو ان کو اتار لیا جاتا ہے۔ اور وہ ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی اور کئی جاہل فرقوں کا حال ہے۔ اور ان میں بھی اس کے مشابہ حالات پائے جاتے ہیں پس ان بیہودگیوں کو روح القدس کی طرف منسوب کرنے سے بڑھکر اور کیا بیہودگی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کو ایک تازہ زندگی مل رہی ہے یا اس میں کوئی نئی روح پھونکی گئی ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جہالت کی نئی روح کا نفخ ہوتا جاتا ہے۔ بلکہ اگر ان مجالس میں کوئی بھی حرکت دیوانگی کی ظاہر نہ کیجائے اور لوگ صرف گناہوں کا اقرار کریں اور دعائیں ہی مانگیں تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ روح القدس کی تائید سے ہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ خود ایک عیسائی لکھتا ہے کہ "تم شور بھی ڈلوا سکتے ہو گناہوں کا اقرار بھی کروا سکتے ہو۔ اکٹھی دعائیں بھی کروا سکتے ہو۔ مگر ان باتوں سے تم تجدید دین نہیں کر سکتے"۔

جائے غور ہے کہ اگر یسوع مسیح محض ایک انسان ہی ہے اور اس سے بڑھکر کچھ نہیں۔ تو چند نادان لڑکوں اور بیوقوف لڑکیوں کے اس گیت کو ہزار بار دُہرانے سے کہ "یسوع ہی میری سب حاجتوں کو پورا کر سکتا ہے"، ایک انسان کا خدا نہیں بن سکتا۔ وہ چند احمق جو پگٹ کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ وہ ایسے ہی کامل یقین سے پگٹ کو خدا سمجھ رہے ہیں جیسے وہ تیس۳۰ یا چالیس۴۰ کروڑ انسان جو یسوع کو خدا بنا رہے ہیں۔

وہ پگٹ کے جلال کے گیت ایسی ہی خوشی سے گاتے ہیں جیسے یسوع کے تبع یسوع کے جلال کے گیت گاتے ہیں۔ بلکہ وہ انسے بھی بڑھکر خوش ہیں کیونکہ عیسائیوں کو تو اپنا فرضی خدا و تد نظر نہیں آتا مگر پگٹ کے مرید اپنے فرضی خدا کو اپنے سامنے موجود دیکھتے ہیں۔ پس اگر ہم مجالس ریوائول کی حرکات دیوانگی کو نظر انداز بھی کردیں۔ حالانکہ وہی حرکات ان کی عظمت کا اصل سرچشمہ ہیں۔ تو بھی محض حمد کے گیت گاتے یا دردناک دعاؤں کے کرنے سے عیسائی مذہب کی تصدیق کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ انکی اصل وجہ تو ایک وہمی ڈر ہے اور ایک موہوم امید کہ یسوع ہماری ساری بدکاریوں کو اکٹھا کرکے لے گیا۔ رونے یا خوش ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ ان باتوں کی بنیاد بھی صحیح واقعات پر ہو جو رلانے یا ہنسانیوالی ہیں۔ ایک بت پرست جب بت کی پوجا کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے سامنے جھکتا اور سجدہ کرتا ہے تو اس کا سوز و گداز عیسائیوں کے اس سوز و گداز سے کم نہیں ہوتا جس کا ظہور مجالس ریوائول میں ہوتا ہے۔ پس یہ سچ اور جھوٹ کے امتیازی نشان نہیں ہیں بلکہ ان ظاہری حالات میں سب لوگ قریباً قریباً مشابہ ہیں۔

عیسائی صاحبان روح القدس کو بچوں کا کھیل بنا رہے ہیں کہ چند جاہل اور دیوانہ لوگوں یا نادان لڑکوں اور لڑکیوں کے رونے اور چلانے کو اس کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کیونکہ محض ایک آدمی کے اقرار گناہ سے یا گذشتہ گناہوں کے لئے زار زار رونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ واقعی اس کے اندر ایک پاک تبدیلی بھی ہو گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو تبدیلی روح القدس کے ذریعہ ظہور میں آتی ہے۔ وہ مستقل ہوتی ہے اور ایک فوری جوش کا نتیجہ نہیں ہوتی حالانکہ مجالس ریوائول کی کل کارروائی ایک فوری جوش کی وجہ سے ہوتی ہے۔ روح القدس کا نزول اسوقت ہوتا ہے جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مستحکم اور مضبوط تعلق کے لئے پوری مستعدی پائی جاوے حالانکہ محض رونے سے خدا کے ساتھ کوئی ایسا پاک تعلق نہیں ہو جاتا بلکہ ایک جھوٹے معبود کی عبادت کرتا ہوا بھی انسان رو پڑتا ہے۔ اور بعض لوگ تو جھوٹے قصوں کو پڑھ کر رو پڑتے ہیں۔ قرآن کریم نے تضرع کو انسان کی روحانی ترقی کا پہلا مرتبہ قرار دیا ہے اور صرف رونے کو قابل اعتبار نہیں ٹھہرایا جبتک کہ روحانیت کے دوسرے مراتب بھی انسان طے نہ کرلے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قد افلح المؤمنون ۝ الذین ھم فی صلاتھم خاشعون ۝ والذین ھم عن اللغو معرضون ۝ والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون ۝ والذین ھم لفروجھم حٰفظون ۝ .... والذین ھم لامٰنٰتھم وعھدھم راعون ۝ والذین ھم علیٰ صلوٰتھم یحافظون ۝ - ان آیات میں اول مرتبہ مومن کی روحانی ترقی کا خشوع قرار دیا ہے۔ جو اسے یاد الٰہی میں میسر آئے۔ اب ایک طرف تو خشوع پہلا مرتبہ ہونے کے سبب سے بطور ایک تخم کے ہے جس کے اندر وہ تمام نقش و غیرہ مخفی طور پر رکھے گئے ہیں جو کامل روحانیت کے حاصل ہونے کے بعد کھلے طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اگر اس پہلے مرتبہ سے انسان ترقی نہ کرے تو وہ اس بیج کی طرح ہے جو ضائع ہو گیا۔ علاوہ ازیں یہ حالت

رونے اور خشوع کی جیسے پاک تعلق سے جو انسان کو خدا کے ساتھ حاصل ہو پیدا ہو سکتی ہے ویسے ہی اس ناپاک تعلق سے جو غیر اللہ کے ساتھ لوگ پیدا کرتے ہیں اس کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صورت اول میں یہ بیج نشوونما کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور پہلے مرتبہ کے بعد اگلے مراتب کے حصول کی استعداد رکھتا ہے مگر دوسری صورت میں یعنی جب یہ تعلق بوجہ غیر اللہ کے ساتھ ہونے کے ناپاکی کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہو نشوونما پانیکی استعداد اس کے اندر نہیں ہوتی اور وہ حالت صرف رونے تک ہی ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ مجالس ریوائول کے حالات سے اس امر کا پتہ لگتا ہے۔ پس جس صورت میں سوز وگداز اور رقت اور رونا ایک بت پرست کو بت کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک عیسائی کو یسوع کی عبادت کرتے ہوئے اور ایک مسلمان کو خدائے واحد کی سچی فرمانبرداری کرتے ہوئے میسر آسکتا ہے تو یہ درجہ امتیاز کلی کا درجہ نہ رہا بلکہ یہ ایک پہلا مرحلہ ہے جس کو طے کرنیکے بعد اگر انسان دوسرے مراتب بھی طے کرلے تو سمجھو کہ اس کا سوز وگداز اور رقت قلب وغیرہ حقیقت اور سچائی اور تعلق باللہ پر مبنی تھے۔ ورنہ یہ ایک معمولی اور فوری جوش کا نتیجہ تھا۔

دوسرا مرتبہ روحانی ترقی کا جو سچے سوز وگداز کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ ہے جس کو قرآن کریم نے والذین ھم عن اللغو معرضون سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ لوگ پھر لغو کاموں اور لغو حرکتوں اور لغو باتوں سے بچتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک انسان ایک مجلس میں تو بلند آواز سے پکار پکار کر روتا ہو۔ اور پھر ساتھ ہی اس کے وہاں اٹھکر لغو کاموں اور لغو حرکات کا مرتکب ہو تو اس کا رونا دھونا محض لاحاصل اور لغو ہے۔ بلکہ معلوم ہوا کہ اسکا رونا ایک عارضی جوش کی وجہ سے تھا ورنہ اگر سچے دل سے انسان کا سوز وگداز پیدا ہو تو پھر ضروری ہے کہ وہ لغویات سے بچے اور جو کیفیت اس کے دل پر رقت اور سوز وگداز کی کسی وقت میں طاری ہوئی ہو اس کا اثر اس کے دل پر ہمیشہ رہے اور وہ اثر صرف اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان لغویات سے بچے۔ کیونکہ جس شخص کے دل سے لغویات کے خیالات دور نہیں ہوئے اس کا سوز وگداز کسی کام کا نہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرتبہ روحانی ترقی کا زکوٰۃ بیان کیا ہے جو تزکیۂ نفس کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ بلکہ زکوٰۃ سے مراد ہی تزکیۂ نفس ہے۔ دعا اور نماز میں سوز وگداز تزکیۂ نفس کے حصول کے ہی ذرائع ہیں پس جو شخص اپنی نمازوں کے سوز وگداز کو تزکیۂ نفس کا ذریعہ نہیں بناتا وہ اصل مقصد سے دور جا رہا ہے۔ دوسری بات یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کا سوز وگداز واقعی ایک سچے تعلق کی بنا پر ہے یعنی تعلق باللہ کا نتیجہ ہے تو ضرور ہے کہ اس سے تزکیۂ نفس میں ترقی کرے اور جہاں تزکیۂ نفس میں ترقی نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ سوز وگداز بھی حقیقی نہیں۔ اس کے بعد چوتھا مرتبہ حفاظت فروج کا ہے یعنی ہر قسم کے شہوات سے بچنا کیونکہ بغیر اس کے تزکیۂ نفس ممکن نہیں۔ پھر پانچواں مرتبہ امانات اور عہد کی رعایت ہے جس سے مراد نہ صرف ایسے عہد اور اقرار کی پابندی ہے جو انسانوں سے کیا جاوے بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضروری

اس عہد کی پابندی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اس مرتبہ کا تعلق سوز و گداز سے یوں ہے کہ جب انسان نہایت عاجزی سے اپنی خطاؤں کا اقرار اپنے مولیٰ کے حضور کرتا ہے۔ تو اس اقرار کا اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ آئندہ ایسے امور سے مجتنب رہیگا جو ناراضگی الٰہی کا موجب ہیں۔ کیونکہ اصل میں توبہ صرف گناہوں کے اقرار اور گناہوں کے لئے رونے کا نام نہیں۔ جیسا کہ ریوائول کے حامی فرض کر رہے ہیں۔ بلکہ اصل توبہ یہ ہے کہ انسان آئندہ کے لئے ان گناہوں سے بچنے کا پختہ وعدہ کرے۔ پس جو شخص اس وعدہ پر قائم نہیں اسکا رونا دھونا بھی عبث اور ایک کھیل ہے۔ قابل تعریف کسی انسان میں یہ امر نہیں کہ وہ اپنے پچھلے گناہوں کو یاد کرکے کسقدر رویا اور کسقدر لوگ اس کے چیخنے چلاّنے سے متاثر ہوئے۔ بلکہ قابل تعریف یہ امر ہے کہ کسقدر استقامت اس نے آئندہ گناہوں سے بچنے میں اور اس عہد کے پورا کرنے میں دکھائی جو توبہ کے وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اب جب ہم مجالس ریوائول کا حال دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا زور رونے پر ہی ہے۔ اور اکثر لوگ جو ایک مجلس میں پھوٹ پھوٹ کر روتے اور سامعین کو متاثر کرتے ہیں وہ دوسری مجلس کے انعقاد کے وقت تک انہی بدکاریوں میں پھر گرفتار ہو چکے ہوتے ہیں جن سے توبہ کی تھی۔ یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ذلیل حالت سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ایک اچھی حالت پر قائم نہیں رہ سکتے خود اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انکا رونا دھونا روح القدس کے نزول کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ روح القدس کے نزول سے ثابت قدمی ملتی ہے اور جب تک دل میں گندگی خباثت باقی ہو وہ روح القدس کے قبول کرنیکی استعداد سے بھی خالی ہوتا ہے۔ ایسا ہی امانت سے مراد نہ صرف انسانی امانتیں ہیں بلکہ انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اس کے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں پس جو شخص انکی نگہداشت نہیں کرتا اور دقائق تقویٰ سے کام نہیں لیتا وہ محض اپنے رونے دھونے کی وجہ سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اور روحانی کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد چھٹا مرتبہ روحانی ترقی کا آتا ہے جس کو قرآن شریف نے والذین ھم علٰی صلوٰتھم یحافظون سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس مرتبہ پر پہنچکر مومن کسی دوسرے کی تذکیر اور یاددہانی کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وہ خود اپنی نمازوں پر محافظ اور نگہبان ہوتا ہے۔ یعنی ایسا تعلق اسکو خدا تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی وقت یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا بلکہ ہر دم اس کا یاد الٰہی میں گذرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ اور اتم ہے۔ نماز اور دعا میں جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مالک کے حضور میں پاتا ہے۔ اور اس دوری کی وجہ سے جو اس میں اور خدا تعالیٰ میں اسکی اپنی بدیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے وہ روتا ہے اور اس کا رونا محض اسی مقصد کے پانیکے لئے ہوتا ہے کہ اسکا ہر لحظہ خداوندی حضوری میں گذرے اور اس کی جناب سے وہ کسی وقت بھی دور نہ کیا جاوے تا شیطان اسپر قابو نہ پا سکے پس جس شخص کو یہ مرتبہ محافظت علی الصلوٰۃ کا حاصل ہو گیا وہ اس اعلیٰ مقصد تک پہنچ گیا۔ یہی مرتبہ روح القدس کے

نزول کے وقت کو بتلاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا ایسا مستحکم تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے پیدا ہو جاتا ہے تو پھر حق تعالےٰ ایک روح اس کے روحانی قالب میں داخل کرتا ہے جس کا تعلق اس روحانی قالب سے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا حیوانی روح کا تعلق جسم انسان سے اور جیسے انسانی بناوٹ کی تکمیل جسم انسانی میں روح کے داخل ہونے سے ہوتی ہے انسان کی روحانی تکمیل اس روح القدس کے نزول سے ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ عیسائی صاحبان نے روح القدس اور اس کے نزول کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ فرض کر لیا کہ ناچنا گانا بجانا بیہودہ حرکات کرنا ہنسنا اور رونا یہ سب کچھ روح القدس کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔

جسطرح روح القدس کی حقیقت کو پادری صاحبان نے نہیں سمجھا اسی طرح ریوائول یا تجدید دین کی حقیقت سے بھی وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں۔ تجدید کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت قدیم سے اس کے متعلق کیا چلی آئی ہے* کہ جب کبھی وہ زمین کو شرک اور فساد سے پُر دیکھتا ہے اور گناہوں کا سیلاب دنیا پر پھر جاتا ہے اور دنیا کے لوگ بکلی مردار دنیا پر گر جاتے ہیں اور بیباکی اور شوخی سے ارتکاب معاصی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ایک خاص بندے کو چن لیتا ہے اور اس کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک کر کے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور فرماتا ہے اور اپنے کلام سے اس کو مشرف کرتا ہے اور اپنے چمکتے ہوئے نشان اس کو دیتا ہے تا وہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لاوے۔ پس ایسا انسان خدائے تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشان لوگوں کو دکھاتا ہے اور اسطرح پر انکے دلوں میں خدائے تعالےٰ کی ہستی اور اس کے تصرف تام اور اس کے علم اور طاقت کے متعلق ایک زندہ یقین پیدا کرتا ہے جس کا نام ایمان ہے یہی وہ نعمت ہے جس کو پا کر انسان ہر ایک قسم کے معاصی سے بچ سکتا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس کے کھوئے جانے سے انسان اللہ تعالیٰ سے الگ ہو کر شیطان کے تسلط میں آجاتا ہے۔ پس جبتک دلوں میں زندہ ایمان پیدا نہ ہو اس وقت تک ارتکاب معاصی سے نفرت اور بیزاری بھی پیدا نہیں ہوتی یہی تجدید دین و ایمان ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے ایمان دلوں سے سلب ہو چکا۔۔۔ ہوتا ہے اور خواہ زبان پر خدا کا نام ہو بھی تو بھی دلوں میں نہ اسکی ہستی کا یقین تام ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی عظمت اور جلال کا نشان ہوتا ہے۔ جو شخص تاریخ انبیاءؑ پر نظر غائر ڈالیگا وہ دیکھ لیگا کہ ہمیشہ سے یونہی تجدید دین ہوتی چلی آئی ہے۔ اور یہ کام ہمیشہ سے انبیاءؑ کرتے چلے آئے ہیں۔ انسانوں کو حقیقی نیکی اور پاکیزگی کی راہوں پر چلانا یہ فخر اسی قوم کو حاصل رہا ہے۔ اس اخیر زمانہ کے لئے تجدید دین کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک عظیم الشان ضلالت کے وقت میں جو اخیر زمانہ میں ظہور میں آنیوالی ہے اپنے ایک نبی کو دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کرے گا اور اسکا نام مسیح موعودؑ ہوگا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ عین اسوقت میں جب سب قومیں چلا اٹھیں کہ موعود مصلح کے آنیکے سب نشان پورے ہو چکے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت مرزا غلام احمدؑ کو مامور فرمایا کہ وہ گم شدہ

* انبیاءؑ کی تاریخ کو پڑھکر صاف پتہ لگتا ہے کہ تجدید اس طرح سے ہوتی ہے اور یہی سنت خدائے تعالیٰ کی قدیم سے چلی آئی ہے

ایمان کو خدائے تعالیٰ کے تازہ نشان مشاہدہ کرا کر دوبارہ دلوں میں قائم کرے یہ مصلح سنت الٰہی کے مطابق اس تجدید اور اصلاح کے کام میں مشغول ہے اور یہ اصلاح اور تجدید جو اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہی ہے اسی طرح آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہی ہے جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے وقت میں ہوا کہ آہستہ آہستہ لوگوں پر انکا اثر پڑتا گیا۔ اگر پادری صاحبان کے نزدیک یہی ریوائول کی مجلسوں کا ناچنا اور گانا ہی تجدید اور اصلاح ہے۔ تو جس طرح سیکڑوں پیشگوئیاں آخری زمانہ میں ایک مرسل کے آنیکی ہیں وہ کوئی ایک ہی پیشگوئی اس قسم کی بھی نکالکر دکھادیں کہ ناچتے ہوئے آدمیوں۔ کانپتے ہوئے لڑکوں اور چیختی ہوئی لڑکیوں کے ذریعہ سے بھی کوئی تجدید اور اصلاح ظہور پذیر ہوگی۔ اگر ایک بھی اس قسم کا وعدہ انجیل یا توریت میں ہو تو پھر مجالس ریوائول کی حقیقت کو زیادہ غور سے دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن جس صورت میں نہ کوئی اس قسم کی پیشگوئی ہے نہ کوئی وعدہ کتب مقدسہ میں ہے۔ نہ ہی سنت اللہ کے مطابق یہ امر ہے تو ان لغو حرکات کا نام تجدید اور اصلاح رکھنا پادری صاحبان کی پرلے درجہ کی حماقت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مختصر حالات

سلسلہ احمدیہ کے مختصر حالات اور عقائد گذشتہ پرچے میں شایع ہوئے ہیں۔ لیکن انکی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین رسالہ کو اس سلسلہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کے مختصر حالات سے بھی آگاہ کیا جائے۔ اس ذکر میں حضرت موصوف کے عقائد کا ذکر نہیں آئے گا کیونکہ وہ ذکر سلسلہ احمدیہ کے حالات کے اثنا میں آچکا ہے۔ میں ان حالات کو حضرت اقدس ؑ کے اپنی قلم سے لکھے ہوئے ایک مضمون سے شروع کرتا ہوں جو آپنے اپنی سوانح کے متعلق ایک شخص کی درخواست پر لکھا تھا اور جو کتاب البریہ کے حاشیہ میں چھپا ہوا ہے۔ وہ مضمون یہ ہے۔

میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضےٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے*

---

* عرصہ ستره یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات بیّنۃ انہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصص میں درج کردیئے تھے جن میں سے میری نسبت

اور میرے بزرگوں کے پُرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور اُنکے ساتھ قریباً دو سو آدمی اُنکے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اُس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے جسکو انہوں نے آباد کر کے اسکا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جسکا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے اُن دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اُس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اُس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر انکو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست انکی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جنکے پاس اسوقت پچاسی گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے اُن کے قبضہ سے نکل گئے تاہم اُنکی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروّت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے جو اب تک انکے پاس ہیں۔ غرض وہ اس

حاشیہ: ایک یہ الہام ہے خُذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس۔ یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے۔ لوکان الایمان معلقًا بالثریا لنالہ رجل من فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اسکو لے لیتا اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے۔ انّ الذین کفروا ردّ علیھم رجل من فارس شکر اللّٰہ سعیہ یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے انکے مذاہب کو رد کر دیا۔ خدا اسکی کوشش کا شکر گذار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اولین فارسی تھے۔ والحق ما اظھرہ اللّٰہ۔ منہ

طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ انکے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے جن کے کافی وظیفے مقرر تھے اور انکے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پانچ وقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اُس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ مینے خود اُس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا وہ اُس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ میرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق و کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہوگئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات انکی ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے اور انکی مجلس میں بیٹھنے والے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ مینے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا اور اُس نے میرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور انکے اس مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جاوے۔

اسجگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ میرے پردادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمد نے

ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطبا نے اتفاق کرکے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں آخر بعض نے انہیں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بھی بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضاء و قدر پر راضی ہوں آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدر تھی مگر یہ اُنکا طریق تقوے ہمیشہ کے لئے یادگار رہا کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس اُن بعض نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلّی لاپروا ہوکر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھولکر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کرکے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہکر اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہوکر جلد تر مرجاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے اُن کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید اُن کے گدی نشین ہوئے۔ ⁂ اُنکے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت سی تدبیریں کیں مگر جبکہ قضا و قدر انکے ارادہ کے موافق نہ تھی اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے یہانتک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گیا اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار برج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں اور فصیل

⁂ ہمارا شجرہ نسب اس طرح پر ہے۔ میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضےٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا محمد قاسم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب ابن مرزا محمد دلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا محمد بیگ صاحب ابن مرزا عبد الباقی صاحب ابن مرزا محمد سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورث اعلیٰ۔ منہ

بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اس پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور انکے مال و متاع سب لوٹے گئے۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا اور آخر سکھوں نے کچھ سوچکر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دیگئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں ملے کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پُرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پُرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بلحاظ خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج انکو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں انکا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات انکی دل جوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر انکے مکان پر آکر انکی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اسکو بہت طول دوں۔ اب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے ✤

✤ نوٹ۔ میں توام پیدا ہوا تھا ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی وہ چند دنوں کے بعد فوت ہوگئی تھی میں خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا۔ منہ

اور مَیں ۱۸۵۳ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایکدفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا لیکن میری پیدائش کے دنوں میں انکی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مَیں نے انکے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملکداری سے کچھ حصہ پایا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جنکے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونیکے تھی اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں شاید یہ اس لئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں مگر تاہم مَیں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملکداری کی لپیٹی گئی اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہوگیا اور ایسا ہوا تا کہ خدا تعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے جیسا کہ براہین احمدیہ میں اُس سبحانہ کی طرف سے یہ الہام ہے سبحان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ زاد مجدك ینقطع آباءك و یبدء منك۔ یعنی خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اُس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے آبا کا ذکر قطع کیا جائیگا اور خدا تجھ سے شروع کریگا۔ اور ایسا ہی اُسنے مجھے بشارت دی کہ "میں تجھے برکت دونگا اور بہت برکت دونگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

پھر مَیں پہلے سلسلہ کی طرف عود کرکے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ مَیں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور مَیں نے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو اُن سے پڑھے۔ اور بعد اسکے جب مَیں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اِنکا نام گل علیشاہ تھا۔ انکو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھکر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے مَیں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہانتک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں مَیں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اسقدر

توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے اور نیز اُنکا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر اُنکے غموم وہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضایع گیا اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ اُنکی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھکو کہا کہ اُنکی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا اس لئے نہ جا سکا پس یہ امر بھی اُنکی ناراضگی کا موجب ہوا اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنیکے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا اور اُنکے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ ”میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے (یعنی دین کی طرف) صحیح اور سچ بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں“۔ ایسا ہی اُنکے زیر سایہ ہونیکے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے اُنکے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا میں نے استعفاء دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم اور صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو اُن ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلا کے طور پر انکو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ انکے مونہہ دیکھکر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ انکی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کیوجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں۔ اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری

اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رزیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خداتعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ مَیں نے بسر کئے

؎ من بہر جمعیتے نالاں شدم + جفت خوشحالان و بدحالاں شدم + ہر کسے از ظن خود شد یارمن + وزدرون من نجست اسرار من +

اور جب مَیں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور اُنہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبّر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا جسکا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور اُنکا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے اُن حالات کو دیکھکر ایک پاک تبدیلی کرنیکا موقع حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اُس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔

اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر مَیں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر مَیں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎ عمر بگذشت و نماند ست جز ایّامے چند۔ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند۔ اور مَیں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے۔ از در تو اے کس ہر بیکسے۔ نیست امیدم کہ روم ناامید۔ اور کبھی دردِ دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔ بآب دیدۂ عشاق و خاکپائے کسے۔ مرا دلیست کہ درخون تپد بجائے کسے۔ حضرت عزت جلشانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانیکی حسرت روز بروز آخری عمر میں اُنپر غلبہ کرتی گئی تھی بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے مَیں نے اپنی عمر ناحق ضایع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے تو مَیں اُسوقت آپکی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا جب قریب پہنچا تو مَیں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف

ایک روپیہ تھا اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پُر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی" اور آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیا داری کے ساتھ خدا اور رسولؐ کی محبت ایک کھوٹے روپیہ کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گذرا اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے جس کا ایک مصرع راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ع "جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"
اور یہ غم اور درد اُنکا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزّ و جل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنّۃ آمین۔ قریباً اسّی یا پچاسی برس کی عمر پائی۔
انکی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہوگا آخر اس حسرت کو ساتھ لیجائیگا۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھے۔ میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کی ہو گی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب انکے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اسوقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا تب میں جلدی سے قادیان میں پہنچا اور انکو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے کیونکہ مرض کی شدّت کم ہو گئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے دوسرے دن شدّت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز انکی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اسوقت تم ذرا آرام کر لو کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبدء ہے اور قسم ہے اُس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پُرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضایع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اسکی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پُرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزّت جلشانہٗ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے

کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے انہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہ کیطرف سے یہ الہام ہوا جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلا ہمیں پیش آئے گا تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اُس خدائے عزّ و جل کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے وہ متواتر احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کرسکوں۔ اور میرے والد صاحب اُسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہوگئے یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ خدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کرسکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو اُنہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اسکی انگشتری بنائی جو بڑی حفاظت سے ابتک رکھی ہوئی ہے غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کرسکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی سو یہ اسی کی عنایت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع و اقسام کی بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ انکا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کرکے کہ کسیقدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے، اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر

حاضری کے لئے تاکید کردی تھی دیدیتا اور اسطرح تمام دن روزہ میں گذارتا اور بجز خداتعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسیقدر کھانے کو کم کروں سو میں اس روز سے کھانیکو کم کرتا گیا یہانتک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانیکو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا خداتعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں اُنسے ملاقات ہوئی۔ ایکدفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع حسنین و علی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے انکو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھکر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ انکو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا

کہ ایسا کرے اور نہ مینے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ مینے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہوگئے اور بقیہ عمر انکی دیوانہ پن میں گذری یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہوگئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جنکے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں انکو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو اور شریعت غرا اسلام سے منافی نہ ہو تو اسکو بجالانا ضروری ہے لیکن آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں انکا انجام اچھا نہیں ہوتا پس انسے پرہیز کرنا چاہیئے۔

یاد رہے کہ مینے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اسکو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن روحانی سختی کشی کا حصہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصہ ان دنوں میں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلا کی دشنامدہی اور دل آزاری سے مل گیا۔ اور جسقدر یہ حصہ بھی مجھے ملا میری رائے ہے کہ تیرہ سو برس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہوگا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے طیار ہوکر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں اور دہریوں سے بدتر ٹھہرایا گیا اور قوم کے سفہا نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں کہ ابتک مجھے کسی دوسرے کے سوانح میں انکی نظیر نہیں ملی۔ سو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ الرحمٰن علّم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر آباءھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انّی امرت وانا اول المؤمنین۔ یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھولدیئے یہ اس لئے ہوا کہ تا تو ان لوگوں کو بدانجام سے ڈراوے کہ جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانیکے غلطیوں میں پڑ گئے اور تا ان مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے انکو کہدے کہ میں مامور من اللہ اور اول المؤمنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے جو انہی دنوں میں جسکو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوا ہے مینے تالیف کر کے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہوجائیگا کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا۔ اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت

بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آوے۔

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک اس ملک کے اکثر علماء میرے دعویٰ مجدد ہونے کی تصدیق کرتے تھے اور کم سے کم یہ کہ نہایت حُسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے بڑی خوشی سے کہتے تھے کہ خدا نے اسلام کے لئے چودھویں صدی کو مبارک کیا کہ اپنی طرف سے ایک مجدد بھیجا اور بعض نے ان میں سے نہایت اخلاص سے براہین احمدیہ کا ریویو بھی لکھا اور اس میں اس قدر میری تعریف کی کہ جسقدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے راستباز اور پاک باطن اور خدا رسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے حالانکہ اُس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ براہین احمدیہ میں وہ الہام بھی ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ اور **مسیح موعود** رکھا ہے۔ غرض اس وقت تک کہ تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں ہوا تھا اور صرف مجدّد چودھویں صدی ہونا عام لوگوں میں مشہور تھا کوئی بڑی مخالفت علماء کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ اکثر اُن میں مصدق اور مطیع رہے۔ مگر اس دعویٰ مسیحیت کے وقت میں عجیب طور کا شور علماء میں پھیلا۔ اور ان میں سے اکثر لوگوں نے انواع و اقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکا دیا اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارہ میں استفتاء طیار کیا اور بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اُس پر دستخط کرائے۔ مگر جیسا کہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا تھا کہ اُس آنیوالے امام موعود کی تکفیر ہوگی اس پیشگوئی کو پورا کیا کیونکہ اُن پاک نوشتوں کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اور تعجب کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی کہ جو براہین احمدیہ میں اس وقت سے اٹھارہ [۱۸] برس پہلے درج نہیں ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی نادان مولویوں نے اس دعوے پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر انکی فتنہ انگیزیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ گھر گھر میں عداوت پڑ گئی مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہو گیا اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا اور ایک گروہ ایسا رہا کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ ابھی بکثرت دنیا میں نہیں پھیلا۔ لیکن پشاور سے لیکر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیار عرب تک ہمارے پیرو دنیا میں پھیل گئے۔ پہلے یہ گروہ پنجاب میں بڑھتا پھولتا گیا اور اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذیعزت عہدہ دار ہیں جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف اے بی اے اور ایم اے اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت اور اقبال رکھتے تھے یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے یا رئیس اور جاگیردار اور تعلقدار اور انکی اولاد تھے اور یا ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل تھے جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلیٰ درجہ کے ولی اور قطب سمجھتے تھے وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت نے

مولویوں کو اُن کے ارادوں سے نامراد رکھکر ہماری جماعت کو فوق العادت ترقی دی ہے، اور دے رہا ہے - وہ لوگ جو درحقیقت پارسا طبع اور خدا ترس اور نوع انسان سے ہمدردی کرنیوالے اور دین کی ترقی کے لیے بدل وجان کوشش کرنیوالے اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو دلمیں بٹھانیوالے اور عقلمند اور ذی فہم اور اولوالعزم اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں وہ اس جماعت میں بکثرت پائے جائیں گے - مَیں دیکھتا ہوں کہ خداوندکریم اسباب کا ارادہ کررہا ہے کہ اس جماعت کو بڑھاوے اور برکت دے اور زمین کے کناروں تک سعادتمند انسانوں کو کھینچکر اس میں داخل کرے''

یہانتک مینے حضرت مرزا صاحب کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے واقعات کو نقل کیا ہے - اس کے بعد جو کچھ آپنے لکھا ہے وہ متعلق بہ عقائد ہے لیکن چونکہ عقائد کے متعلق میں کل بحث گذشتہ رسالے میں سلسلہ احمدیہ کے حالات میں کرچکا ہوں اسلئے اب اس بحث کو چھوڑکر میں کسیقدر حالات آپ کی اس زندگی کے بیان کرونگا جو دعویٰ مسیحیت سے شروع ہوتی ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۸۹۱ء یعنی دعویٰ مسیحیت کا سال حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے نہ صرف اس لحاظ سے کہ دعویٰ مسیحیت سے قبل آپکی قبولیت بہت تھی اور اس دعوے کے بعد مخالفت حد سے زیادہ ترقی کرگئی - اور جس شخص کو پہلے ملہم من اللہ اور مجدد چودھویں صدی اور مثیل مسیح اور عظیم الشان خادم اسلام اور اسلام کی برکات کا زندہ ثبوت تسلیم کیا گیا تھا اسی کو بعد میں مفتری اور ضال اور مضل اور دجال اور دین میں فساد ڈالنے والا اور مخرب دین اسلام قرار دیا گیا - بلکہ اس سال کیساتھ جو آپکی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے وہ ایک اور رنگ میں اپنے اندر یہ ثبوت رکھتی ہے کہ واقعی آپ منجانب اللہ اور مؤید و منصور من اللہ ہیں - اور یہ دو حصے بعینہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان دو حصوں سے مشابہ واقع ہوئے ہیں جو ہجرت کے قبل اور ہجرت کے بعد کے زمانے ہیں - اس طرح پر کہ دعویٰ مسیحیت سے قبل اللہ تعالیٰ کی کلام میں جو آپ پر نازل ہوا کئی وعدے پائے جاتے ہیں جنکا ایفاء ایک حیرت انگیز طریق میں دعویٰ مسیحیت کے بعد ہوتا ہے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی زندگی میں عظیم الشان فتوحات کے وعدے دیئے گئے جنکا ایفاء آپ کی مدنی زندگی میں ہوا - یہ وعدے ایسی صراحت سے کتاب براہین احمدیہ کے تیسرے حصہ میں جو ۱۸۸۲ء میں شائع ہوچکا تھا موجود ہیں کہ سخت سے سخت مخالف بھی انسے انکار نہیں کرسکتا - (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۰) یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون - اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھی امر الزمان الینا الیس ھذا بالحق - ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین - الا ان نصر اللہ قریب - یاتیک من کل فج عمیق یاتون من کل فج عمیق - ینصرک اللہ من عندہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء - انک باعیننا یرفع اللہ ذکرک - ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادرٰک ما اصحاب الصفۃ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک - ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیا الی اللہ

دوسرا جائزہ نمبر ۱-۱ ملو۱ - ایسا ہی مخالفت کی خبریں اور مخالفین کی تدبیروں کی اطلاع اور فتح و نصرت کے عظیم الشان وعدے اور لوگوں کا جوق در جوق آنا اور ہر طرف سے نصرت کے سامان پیدا ہو جانا وغیرہ امور کے متعلق براہین احمدیہ حصہ چہارم میں کثرت سے پیشگوئیاں موجود ہیں - اب یہ وعدے اُسوقت دیئے گئے ہیں جب آپ بالکل گوشہ تنہائی میں تھے - اور سوائے ان چند زمینداروں کے جن کو آپ سے واسطہ پڑتا تھا اور کوئی آپ کو جانتا بھی نہ تھا - کیونکہ اگرچہ یہ الہامات ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئے مگر اس میں شک نہیں کہ اس سے بہت پہلے زمانے کے ہیں چنانچہ ایک الہام ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا (جسکا تذکرہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر کیا ہے) یہ ہے "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے" اب جائے غور ہے کہ ایک ایسے بعید زمانے کے وعدے جن کو آج گویا چالیس برس گذر چکے ہیں کس صفائی سے اسوقت پوری ہو رہے ہیں - دعوئ مسیحیت سے پہلا زمانہ تو وعدوں ہی وعدوں کا تھا کہ اول تیری مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت ہوگی اور لوگ تیرے نابود کرنیکی کوششیں کرینگے اور طرح طرح کی تدابیر تیرے ہلاک کرنیکے لئے سوچیں گے مگر خدا ان سب کو ناکام اور نامراد کریگا اور وہ کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے - پھر خدا اپنی نصرتیں تیرے شامل حال کریگا اور جوق در جوق لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ہر دور کی راہ سے تحائف اور مالی امداد تیرے پاس پہنچے گی اور خدائے تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں وحی کریگا کہ وہ تیری مدد کے لئے آدیں - اور اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ قریب ہے کہ تو انکے ہجوم کے سبب سے تھک جاوے اور بعض دلوں پر تیری کشش ایسا کام کریگی کہ وہ گھر بار چھوڑ کر تیرے پاس آ رہیں گے - اور خدائے تعالیٰ کے نشانوں کو تازہ بتازہ پورے ہوتے دیکھکر انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے - اور پھر اخیر پر فرمایا یہ تمام وعدے ہیں انکو لکھ رکھو تا ان کے پورا ہونے کے وقت وہ لوگوں کی تازگی ایمان کا موجب ہوں اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا یقین تمام دلوں میں پیدا کریں - اب ظاہر ہے کہ اگر دعوئ مسیحیت نہ ہوتا تو یہ وعدے بھی نرے وعدے ہی رہتے - پس یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور انسان کے علم سے بہت بڑھکر یہ بات ہے کیونکہ وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل تک زندہ رہونگا چہ جائیکہ تیس چالیس سال کی نہاں در نہاں خبریں پہلے سے بتا چھوڑے - ہاں خدا اس بات کو جانتا تھا اور اس نے سالہا سال پہلے ان باتوں کو اپنے برگزیدہ پر ظاہر کیا کہ ایسے ایسے واقعات تیری زندگی میں آنیوالے ہیں - اور یہ تمام وعدے دعوئ مسیحیت کے بعد ہی پورے ہوئے اور دعوئ مسیحیت ہی انکا پورا کرنیوالا ہوا - اس میں اُن لوگوں کو خصوصیت سے غور کرنا چاہیئے جو مانتے ہیں کہ دعوئ مسیحیت سے پہلے واقعی آپ ملہم من اللہ اور مجدد تھے - کیونکہ اگر یہ وعدے انکے اپنے اقرار کے بموجب خدا کی طرف سے تھے تو اب وہ غور کریں کہ انکا ایفا تو دعوئ مسیحیت کے ذریعہ سے ہوا پس یہ کسقدر ظلم ہے کہ وعدوں کو منجانب اللہ کہا جائے اور انکے ایفا کو جو اور بھی ازدیاد ایمان کا موجب ہونا چاہیئے تھا افترا کہا جائے - بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر وعدوں کے منجانب اللہ ہونے پر کسی کو شک بھی ہوتا تو انکے پورا ہونے سے وہ شک بھی رفع ہو جانا چاہیئے تھا

نہ یہ کہ وعدوں کو منجانب اللہ تسلیم کر کے انکے پورا ہونے پر اعتراض کیا جاوے۔ الغرض دعویٰ مسیحیت حضرت مرزا صاحب کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی حصہ (۱) قبل دعویٰ مسیحیت جو وعدوں کا زمانہ ہے۔ اور حصہ (۲) بعد دعویٰ مسیحیت جو ان وعدوں کے پورا ہونیکا زمانہ ہے۔ ایسے ہی دو حصے زندگی کے ہجرت کے اول اور بعد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور تاریخی طور پر یہ دو ہی انسان ہیں جن کی زندگی کے ایک حصہ میں عظیم الشان وعدوں کا کیا جانا اور ان کا شائع ہونا ایسے وعدے جو انسانی فہم اور قیاس سے برتر اور غیب کی نہایت باریک خبروں پر مشتمل ہیں۔ اور زندگی کے دوسرے حصہ میں ان تمام وعدوں کا نہایت صفائی سے پورا ہونا ثابت شدہ امور ہیں اور اگرچہ دوسرے نبیوں کی زندگی میں بھی ضرور ایسا ہوا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاءؑ کے ساتھ یہ سنت معلوم ہوتی ہے مگر تاریخی ثبوت ان باتوں کا ہمارے پاس کوئی نہیں۔ اور یہ ثبوت ایسا یقینی اور قطعی ثبوت منجانب اللہ ہونیکا ہے کہ اس سے بڑھکر نہ کسی معجزہ کی شہادت ہو سکتی ہے اور نہ کسی دلیل کی۔ یہ ثبوت ہر قسم کے شک اور گمان سے خالی ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کا بدیہی ثبوت ہے جس کی نظیر کسی جھوٹے اور مفتری کی زندگی میں قطعاً نہیں مل سکتی۔ کیونکہ وہ وقت جس میں ایسے وعدے کئے جاتے ہیں جیسا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مکی حصہ اور حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا وہ حصہ جو قبل از اشاعت براہین احمدیہ اور قبل از دعویٰ مسیحیت ہے۔ مامور پر ایک نہایت درجہ کی بیکسی اور غربت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور اس بیکسی کی حالت میں وہ وعدے کئے جاتے ہیں جو اپنے اندر عظیم الشان قدرت اور طاقت کا نشان رکھتے ہیں۔ پس وہ کسی انسانی علم یا اٹکل کے سرچشمہ سے نہیں نکل سکتے بلکہ اس قادر و علیم خدا کی طرف سے ہی ہو سکتے ہیں جس کی طاقت اور علم غیر محدود ہیں۔

دعویٰ کے ماقبل اور مابعد کی زندگی کے مقابلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے دعوے کی اصلیت پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہم یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ نبی کو اس کے دعوے کے وقت تک ایک بڑا امتیاز اور برگزیدہ انسان عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں ہوتا کہ اسپر کچھ بھی عیب لگا سکے۔ لیکن دعوے کے بعد اسقدر الزام نبی پر لگائے جاتے ہیں کہ انکی کوئی حد نہیں رہتی۔ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تاریخی زندگی ہے اس لئے مثال کے طور پر میں اسی کو پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون (سورہ یونس رکوع ۲) گویا اس آیت شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخالفین کو علی الاعلان یہ فرماتے ہیں کہ اس دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تو میں ایک عمر (چالیس سال) تمہارے اندر گذار چکا ہوں اور تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو پس تم میرے اس حصہ زندگی پر اگر کوئی عیب لگا سکتے ہو تو لگاؤ اور اگر تم کوئی عیب نہیں لگا سکتے تو پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا۔ کہ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ جس آدمی نے چالیس سال کی عمر تک جو عین جوش جوانی کا وقت ہے ہر ایک قسم کی بری بات سے اجتناب کیا اور ہر ایک فسق و فجور ہر ایک کذب خیانت اور دغا کی راہ سے بچا رہا۔ کیا ایسا آدمی بڑھاپے کی عمر میں پہنچکر اس سب سے بدتر گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے کہ افترا علی اللہ کر کے کل کی کل مخلوق کو

دھوکہ میں ڈالے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک جو آپنے دعویٰ نبوت کیا الامین کے نام سے عرب میں پکارے جاتے تھے اور کوئی شخص یہ گواہی نہیں دیتا تھا کہ آپنے اپنی ساری عمر میں ایک بھی جھوٹ بولا ہو۔ ایک عقلمند انسان کے لئے تو اسیقدر سمجھ لینا کافی ہے۔ کیونکہ جس شخص کا جوش اور جذبات جوانی کا وقت اسقدر نیکی اور راستبازی سے گذرتا ہے کہ قوم کے اندر اپنی صداقت اور راستبازی کی وجہ سے شہرت پاجاتا ہے۔ اس کے لئے کیونکہ ممکن ہے کہ یکایک ہی ایک ایسی تبدیلی اسکے اندر پیدا ہوجائے جسکا محرک بھی کوئی نظر نہیں آتا کہ وہ تمام نقشہ بدل کر وہ افترا علی اللہ کی ذلیل ترین زندگی اختیار کرلے۔ پس جس طرح قرآن شریف نے کفار کو ملزم کیا اسی طرح آج وہ لوگ بھی ملزم ٹھہرتے ہیں جو جانتے ہیں اور اگر جانتے نہیں تو تحقیق کرسکتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعویٰ مسیحیت ایک بالکل بے لوث اور اعلیٰ درجہ کی راستبازی کی زندگی تھی۔ اور عجیب تر یہ کہ آپکے الہامات میں بعینہٖ وہی عبارت پائی جاتی ہے جو وحی قرآنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پائی جاتی ہے چنانچہ آپکے الہام کے یہ لفظ ہیں ولقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ اب کوئی شخص خدارا غور کرے کہ حضرت مرزا صاحب کی زندگی قبل از دعویٰ مسیحیت بعینہٖ اسی قسم کی بے لوث زندگی ہے یا نہیں جیسے انبیاءؑ کی ہوتی ہے؟ بڑے سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ آپنے طلب شہرت کی وجہ سے یہ دعویٰ کیا ہے۔ لیکن جب ہم آپکے بچپن کے حالات سے لیکر جوانی اور بڑھاپے کے حالات تک غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہمیشہ سے شہرت سے اور شہرت طلبی سے سخت نفرت اور پرلے درجہ کی بیزاری رہی ہے بلکہ آپ ابتدا سے ہی تنہائی پسند تھے اور ایک لحہ کے لئے بھی آپکے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ بڑے بننے کی کوشش کریں۔ بلکہ اگر آپ گوشہ تنہائی سے نکلے تو وہ بھی اطاعت والدین کے لئے نہ اپنے نفس کی خواہش سے۔ اُس زمانے میں بھی جب کوئی شخص آپکے والد صاحب کے پاس آتا تو آپ کو ان مجالس میں شریک پاتا۔ اور آپکے والد صاحب ایسے موقع پر استفسار کرنیوالوں کو یہی فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو مسجد کے کسی کونے میں تلاش کریں۔ ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپکی طبیعت ہی شہرت پسند نہیں بنائی گئی بلکہ آپ فطرتاً ہی تنہائی پسند ہیں۔ پس کیا فطرت بدل سکتی ہے۔ نہیں بلکہ اتنی لمبی تو عادت کا بدلنا بھی محال ہے۔ جو لوگ طالب شہرت ہوا کرتے ہیں انکے ابتدائی حالات سے ہی انکی اس طبیعت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ایسا ہی آپ کی اس ابتدائی زندگی کے سیکڑوں واقعات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ سے ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ اور باوجودیکہ آپ کو کثرت سے مقدمات کرنے پڑے مگر جھوٹ سے آپ اسقدر مجتنب تھے کہ آپکے مخالفین بھی اس بات کے قائل تھے۔ کئی دفعہ جب آپ کی جائداد یا آپ کی عزت اور نیکنامی بھی معرض خطر میں تھی تب بھی آپنے بلاتامل سچ کو ہی اختیار فرمایا۔ اور جھوٹ سے ایسی نفرت ظاہر کی جیسے کوئی سڑے ہوئے اور بدبودار مُردار سے کرتا ہے۔

دعویٰ مسیحیت کے ساتھ جیسا کہ حضرت میرزا صاحب نے خود لکھا آپ کی سخت مخالفت کا شور اٹھا اور اس مخالفت کی

آگ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور ایک فرقہ سے دوسرے فرقہ تک پھیل گئی یہانتک کہ کل اقوام آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئیں۔ یہ مخالفت صرف قلم اور کاغذ تک ہی محدود نہیں رہی۔ ہاں کاغذی مخالفت پہلا قدم تھا۔ اس کاغذی مخالفت میں جو فتوے مولوی صاحبان نے آپ پر لگائے وہ صرف کفر اور ارتداد کے ہی نہ تھے بلکہ صریح الفاظ میں فتوے دیئے گئے کہ آپکا مال چھین لینا۔ یا آپ کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا یا آپ کو جان سے مار ڈالنا یہ سب کچھ جائز بلکہ عین ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اب اس مخالفت میں بھی کئی باتیں غور طلب ہیں۔ اول تو یہ کہ اسکی خبر براہین احمدیہ میں دس سال پہلے دیجا چکی تھی جیسا کہ مندرجہ بالا الہامات سے معلوم ہوگا۔ دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ ایک بیکس اور غریب انسان کو اسقدر طاقت کہاں سے مل جاتی ہے کہ وہ کل دنیا کی مخالفت کی برداشت کرتا ہے اور کسی طرح اس سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے طاقتور بادشاہ جو زبردست افواج اپنے ساتھ رکھتے ہیں اپنی ہی رعایا کی تھوڑی تھوڑی مخالفتوں پر حیران ہوجاتے ہیں مگر مامور من اللہ باوجود اکیلا ہونے کے اور باوجود اس کے کہ کل دنیا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس کے نیست و نابود کرنے پر کمر بستہ ہوتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی گھبراتا نہیں۔ ایک معمولی انسان محض اس مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوسکتا ہے۔ مگر مامور من اللہ اپنی ایک بات کو بھی نہیں چھوڑتا اور جو پیغام وہ پہلے دن دیتا ہے اس سے دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ اور نہ ہی خود کبھی اس کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ وہ اپنی باتوں کو چھوڑدے اور مخالفین سے صلح کرلے۔ پس یہ خارق عادت طاقت جو اسے مخالفت کی برداشت کرنیکے لئے دیجاتی ہے۔ خدا تعالے کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ تیسرا امر غور طلب یہ ہے کہ جس صورت میں دنیا کی کل طاقتیں ایک شخص کو نیست و نابود کرنیکے درپے ہوتی ہیں۔ تو یہ کیونکر ہوتا ہے کہ بالآخر وہی شخص غالب آجاتا ہے اور تمام کے تمام مخالفین ناکام اور نامراد رہ جاتے ہیں؟ وہ مخالفت کی آگ جس کے شعلے بدیدن آسمان تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی کی پھونک سے کیونکر بجھ جاتی ہے؟ تمام انسانی تجربے اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ کہ ایک اکیلے انسان کے خلاف کل کے کل منصوبے نکمے ہوجاویں اور زبردست سے زبردست طاقت اس کی عاجزی کے بالمقابل ہیچ ہوجائے یقیناً اگر انسانی طاقت سے بالاتر کوئی طاقت اسکی تائید میں نہ لگی ہو تو اس کا بچنا۔ اسکے خلاف منصوبوں اور مخالفتوں کا ناکام ہونا اور بالآخر اسکا ان تمام مخالفین پر غالب آجانا محال باتیں ہیں۔ فتدبروا

آپ کی سوانح کے حالات میں کسیقدر مختصر حال ان سفروں کا لکھنا بھی ضروری ہے جو آپ کو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے۔ یہ سنت اللہ بھی تمام انبیاء کے حالات میں نظر آتی ہے کہ انہیں کچھ نہ کچھ سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مصالح اور حکمتیں ہونگی مگر اتنا تو آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ سفروں کی وجہ سے ایک تو وہ مختلف لوگوں سے مل کر دنیا کی ردی حالت کو مشاہدہ کرلیتے ہیں اور اسطرح پر وہ جوش جو اللہ تعالیٰ نے انکو ہمدردی مخلوق کے لئے بخشا ہوتا ہے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور لوگوں کی بیماریوں کے حالات سے انکو اطلاع ہوجاتی ہے۔ دوم سفر کی

صعوبتیں انکو ہر قسم کے مصائب اور شدائد کے اٹھانیکے قابل بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ ایک مامور کی زندگی آرام اور راحت کی زندگی نہیں ہوتی بلکہ ہر طرف سے اسے مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور چونکہ سفر میں بھی انسان کو بڑی بڑے مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ ایک سامان ابتدا سے ہی اسے مصائب کا عادی کرنے کا ہوتا ہے۔

زمانہ بعثت سے پہلے جو سفر آپنے کئے انمیں سے ایک حصہ تو اُن سفروں کا ہے جو آپ کو اپنے والد بزرگوار مرحوم کی اطاعت کے لئے اپنی جاگیر اور جائداد کے مقدمات کے لئے کرنے پڑے ان سفروں میں آپنے قادیان سے لیکر ڈلہوزی تک پاپیادہ سفر بھی کیا۔ اس زمانہ میں جو آج سے تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ سال پہلے کا زمانہ ہے راستوں اور سڑکوں کا ایسا اہتمام نہ تھا اور نہ سفر کی سہولتیں پیدا ہوئی تھیں پھر پہاڑوں کا دشوار گذار راستہ اور پیادہ پلٹے کرنا کسی معمولی ہمت و استقلال کا کام نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کے لئے بڑا ہی جفاکش اور جواں ہمت مسافر چاہیئے۔ اور پھر یہ سفر بھی جبکہ تفریح کے خیال سے نہو بلکہ ایک مقررہ وقت پر ایک جگہ حاضر ہونا ہو۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے سفر میں کسی غیر معمولی ہمت سے کام لینا پڑتا ہوگا۔ پھر پہاڑی قوموں کی سوشل لایف بہت کچھ قابل اعتراض ہے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ جو کل دنیا کی ہدایت کے لئے تھوڑے ہی دنوں بعد مامور ہونیوالا تھا۔ باوجود اپنی وجاہت اور زمانہ شباب اور ہر قسم کی آزادی کے جذبات کے خطرناک اپیل کرنیوالے مقامات سے اسی طرح معصوم آیا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے بارہا آپنے ان ایام کے عجائبات سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ "جب کبھی ڈلہوزی مجھے جانیکا اتفاق ہوتا تو پہاڑوں کے سبزہ زار حصوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالےٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ملتا ہے۔" ان جملوں کو جو آپ کے کلام کا مفہوم ہیں سنکر آپ کی پاکیزہ فطرت کا قلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واقع ہونا یاد آجاتا ہے۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد جب آپنے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کو اکثر امرتسر میں براہین احمدیہ کے چھپوانیکے لئے جانا پڑتا تھا۔ ان مشکلات کے وقت اکثر مرتبہ آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ قادیان میں ہی کوئی ایسا مطبع ہو جہاں آپ کی تصانیف چھپ سکیں۔ لیکن اسوقت اور زمانہ میں اس خواہش کا پورا ہونا قریباً محال معلوم ہوتا تھا مگر آخر وہ خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری کی بلکہ آپکی زندگی کا غور سے مطالعہ کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی خواہش نہیں جو آپنے کی اور اللہ تعالیٰ نے پوری نہ کی ہو۔ ان سفروں کا سلسلہ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک رہا۔ اور اس اثنا میں آپ اکثر شیخ غلام حسن رئیس کے مکان پر ٹھہرتے۔ پروف وغیرہ کی صحت سے جسقدر وقت بچتا اسمیں آپ پادری عبداللہ آتھم سے مناظرہ کرتے۔ اسطرح پر آپ کا کل وقت اعلائے کلمہ اسلام میں صرف ہوتا۔ وہ لوگ جن سے آپ کو تعلق پڑتا وہ ابتک زندہ ہیں اور اس بات پر گواہ ہیں کہ آپکی زندگی کا یہ حصہ بالکل بے لوث گذرا۔ براہین احمدیہ کے چوتھے حصہ کے چھپ جانیکے بعد آپ کو ایک اور سفر درپیش آیا۔ جو ہوشیارپور اور لدھانہ کا سفر ہے۔ اس سفر میں

ابتدائے مارچ سنہ ۱۸۸۶ء میں لالہ مرلیدھر آریہ سماجی کے ساتھ آپ کا ایک مباحثہ بمقام ہوشیار پور ہوا۔ جس میں اسلام پر اعتراض معجزہ شق القمر کے متعلق تھا اور آریہ سماج کا عقیدہ قدامت روح اور نجات کا عارضی ہونا زیر بحث تھا۔ اس مناظرہ کی کیفیت کتاب سرمہ چشم آریہ میں ملتی ہے۔ مباحثہ کے بعد ہی آپ نے بذریعہ ایک اشتہار کے آریہ سماج کو مباہلہ کے لئے بھی بلایا۔ اس سفر کے بعد آپ لدہانہ گئے اور اسی جگہ یکم دسمبر سنہ ۱۸۸۸ء کو آپ نے بیعت کا اعلان بھی کیا۔ دوسرے موقعہ پر جب آپ نے اعلان دعوئی مسیحیت کیا تو اس وقت بھی آپ لدہانہ میں تھے۔ اعلان دعوئی مسیحیت کے بعد اسی مقام لدہانہ پر آپ کی بحث مولوی محمد حسین بٹالوی سے ہوئی جسکی کیفیت الحق بحث لدہانہ میں درج ہے۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے جہاں کئی روز کی متواتر کوششوں کے باوجود مولوی صاحبان بحث کے رخ پر نہ آسکے۔ اور آخر مولوی محمد بشیر بھوپال سے مناظرہ کے لئے آئے۔ دہلی کے بعد آپ ابتدائے جنوری سنہ ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لائے اور وہاں سے سیالکوٹ گئے۔ ان تمام سفروں کی غرض اپنے دعوے کو کھولکر بیان کرنا تھا۔

سفروں کے اس سلسلہ کے ختم ہونیکے بعد آپ واپس قادیان تشریف لائے جہاں سے مئی سنہ ۱۸۹۳ء میں آپ پھر عبد اللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لے گئے۔ جہاں پندرہ روز آپ کا قیام ہوا۔ اختتام مباحثہ پر عبد الحق غزنوی نے آپ سے مباہلہ کیا۔ اس کے بعد تیس ستمبر سنہ ۱۸۹۵ء کو آپ مع چند رفقائے کے ڈیرہ نانک تشریف لے گئے اس سفر کی غرض چولہ کی اصلیت کا معلوم کرنا تھا اسی سفر کا نتیجہ کتاب ست بچن ہے جس نے سکھوں پر اتمام حجت کر دی ہے کہ در اصل باوا نانک صاحب مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ انکے چولہ نے انکے مذہب کی اصلیت کو کھولکر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپکے جسقدر سفر ہیں وہ عموماً سوائے ایک دو مستثنیات کے کسی نہ کسی مقدمہ کی وجہ سے تھے۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں آپ کو بٹالہ اور گورداسپور ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے جانا پڑا اسی سال کے اخیر میں ملتان ایک شہادت کے ادا کرنیکے لئے آپکو جانا پڑا جس کی اطلاع آپ کو بذریعہ رؤیا پہلے ہو چکی تھی اگلے سال ایک اور مقدمہ میں جوابدہی کے لئے آپ کو پٹھانکوٹ گورداسپور وغیرہ جانا پڑا۔ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام جہلم دو مقدموں میں جو ازالہ حیثیت عرفی کے تھے جوابدہی کے لئے آپ کو جانا ضروری ہوا۔ اس سفر میں لوگوں کا اشتیاق اور آپکی قبولیت لوگوں کے دلوں میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۰۳ء کے اخیر حصہ میں اور سنہ ۱۹۰۴ء میں آپ کو اکثر مرتبہ ایک اور ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں جوابدہی کے لئے گورداسپور جانا پڑا۔ اور سنہ ۱۹۰۴ء میں تو قریباً پانچ ماہ تک گورداسپور ہی رہنا پڑا۔ اسی اثنا میں آپ لاہور بھی تشریف لے گئے جہاں ۳ ستمبر سنہ ۱۹۰۴ء کو ایک لیکچر آپکا ہوا جس میں دس ہزار سے زیادہ ہر مذہب و ملت کے لوگ جمع تھے۔ ان مقامات پر اور ایسا ہی اسی سال کے اخیر مقام سیالکوٹ پر بہت لوگوں نے بیعت کی اور جوق در جوق لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے۔ سیالکوٹ کے مقام پر ہی اثنائے لیکچر میں آپ نے کھولکر اس امر کو بھی

بیان کیا کہ جس اوتار کے آنیکا ہندوؤں کو انتظار ہے اس سے آپکی ہی آمد مراد ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور اگرچہ دہلی کی حالت پہلے کی نسبت بہت بدلی ہوئی تھی۔ مگر جیسا کہ الہام الٰہی میں آپکی روانگی سے پہلے ظاہر ہو چکا تھا دہلی کے دروازے بند پائے گئے۔ وہاں سے واپسی کے وقت آپنے ایک لیکچر بمقام لدھیانہ دیا۔ اور ایسا ہی امرتسر کے قیام میں ایک لیکچر اس جگہ بھی دینا چاہا۔ مگر جاہل لوگوں نے اسقدر شور مچایا کہ لیکچر بند کرنا پڑا اور ملّانوں کے اکسانے سے لیکچر ہال سے نکلتے وقت آپ پر پتھروں کی سخت بارش کی۔ گویا واقعہ طائف کا نقشہ اس زمانہ میں دکھایا۔

آپ کی زندگی کا ایک اور پہلو بہت قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ باوجود خلوت پسندی کے آپکو پیروی مقدمات کے لئے عدالتوں میں جانا پڑا۔ ابتدائی زندگی میں تو یہ محض ایک فرض تھا جو اطاعت والدین کیلئے آپ بجالاتے رہے۔ مگر ان مقدمات میں آپ کبھی ان فرائض میں غافل نہیں ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق ہیں۔ عین کچہری میں آپ وقتِ نماز پر نماز میں اس طرح مشغول ہو جاتے گویا کہ آپ کو اور کوئی کام ہی نہیں تھا اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اور اُدھر مقدمہ میں طلبی ہوئی مگر آپ اسی طرح اطمینان قلب سے نماز میں لگے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مقدمات میں آپکی راستبازی کا حال بھی لوگوں پر کھل گیا۔ عام طور پر مقدمات کے ساتھ جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہے مگر آپکی نسبت اس سارے زمانہ میں جب آپ اپنے والد صاحب کی طرف سے پیروی مقدمات کرتے رہے کوئی شخص گواہی نہیں دے سکتا کہ آپنے کبھی ایک لفظ بھی جھوٹ بولا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات محض اپنی راست بیانی کی وجہ سے مقدمات میں نقصان بھی اٹھایا یہانتک کہ مخالفوں تک اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ مرزا غلام احمد صاحب کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ آپکے زمانہ تصنیف براہین احمدیہ کا ایک واقعہ ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپنے کسی اخبار کے مضمون کے ساتھ ایک خط بھی اسی پیکٹ میں رکھدیا جو اس وقت کے قانون کے رو سے جرم تھا چونکہ اخبار والا آپ کا مخالف تھا اس نے اسکی اطلاع ڈاکخانہ میں کی اور آپ پر مقدمہ ہوا۔ بہت لوگوں نے آپکو اسوقت سمجھایا کہ اسوقت یہی مصلحت ہے کہ آپ انکار کردیں کہ مَیں نے یہ خط اندر نہیں رکھا۔ اخبار والا مخالف ہے اس نے خود رکھدیا ہے مگر آپنے قطعاً انکار کیا۔ چنانچہ شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور نے جو اس مقدمہ میں آپکے وکیل تھے۔ ۱۹۰۴ء میں حلفی شہادت دیتے وقت آپکی اس راستبازی کا اعتراف کیا۔✤ اُسی زمانہ کے مقدمات کے متعلق ایک اور واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مقدمات سے دراصل فطرتاً سخت نفرت تھی مگر صرف والدین کی اطاعت کے لئے آپنے یہ کام اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نفرت کی ایک مثال موجود ہے۔ جسکا گواہ ایک معتبر شخص بھی ابتک زندہ ہے۔ لاہور میں آپ ایک مقدمہ کی پیروی کے واسطے گئے ہوئے تھے اور وہاں سید محمد علیشاہ صاحب رئیس قادیان کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ان دنوں وہاں ملازم تھے۔ حسب معمول حضرت اقدس چیف کورٹ میں جایا کرتے تھے لیکن ایک دن بڑے ہی خوش چیف کورٹ سے واپس آئے بہت ہی بشاش تھے سید محمد علیشاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے پوچھا کہ آج آپ اتنے خوش کیوں ہیں کیا فیصلہ ہوا؟ تو جواب میں فرمایا کہ مقدمہ تو مَیں نے ہار دیا ہے مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ شاہ صاحب موصوف کہتے ہیں کہ مجھے یہ سنکر افسوس ہوا۔ مگر حضرت اقدس بہر حال بشاش اور خوش تھے اور بار بار فرماتے تھے کہ مقدمہ کے ہارنے کا کیا غم ہے۔ اس واقعہ سے جہاں آپکی اس پاک فطرت کا پتہ لگتا ہے کہ مقدمات سے آپ کو نفرت تھی وہاں یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ رضا بالقضا آپ کی

✤ آپکی صداقت کا یہ اثر تھا کہ حاکم نے آپ کو بری کیا۔ منہ

طبیعت ہو چکی تھی۔ ایک دنیا دار آخری عدالت سے مقدمہ ہارنے پر شاید خودکشی کرے لیکن یہ خدا کا برگزیدہ بندہ اس حالت میں بھی خدا کا شکر کرتا ہے۔

جیسا کہ زندگی کے ابتدائی حصہ میں آپ کو بعض مقدمات محض اپنے والد ماجد کی اطاعت کے لئے کرنے پڑے۔ ایسا ہی آخری حصہ زندگی میں یعنی دعویٰ مسیحیت کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اسی کی اطاعت کے لئے آپ کو بعض مقدمات کرنے پڑے۔ ان تمام مقدمات کی جو آخری حصہ زندگی میں آپکو پیش آئے۔ مدت پہلے آپ کو الہام الٰہی سے خبر مل چکی تھی جو شائع بھی ہو چکا تھا کہ ینصرك الله فی مواطن۔ یعنی تجھ پر بہت سے مقدمات ہونگے مگر خدائے تعالیٰ ان سب میں تجھ کو نصرت دیکر غالب کریگا۔ پس مدت پہلے آپ کو ان مقدمات کی اور ان میں غلبہ اور نصرت کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے یہ مقدمات اپنے اندر مقدمات کا رنگ نہیں رکھتے بلکہ نشانات کا رنگ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہر ایک مقدمہ کے متعلق الگ الگ بھی اللہ تعالیٰ قبل از وجود مقدمہ آپکو اسکی اطلاع دیتا رہا اور اس امر کی بھی کہ آپ بری کئے جائیں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس سے ایک سمجھدار انسان یونہی نہیں گذر سکتا کہ ان تمام فوجداری مقدمات میں جو آپ پر وقتاً فوقتاً کئے گئے اور جن میں سے بعض نہایت ہی خطرناک تھے آپ بری کئے گئے۔ یہ انسانی طاقت میں نہیں۔ یعنی اول یہ کہ وہ خبر دے کہ مجھ پر مقدمات ہونگے اور ان سب میں میری نصرت کیجائے گی اور پھر یہ کہ مطابق اس وعدے کے اسپر مخالفین کی طرف سے مقدمہ پر مقدمہ کیا جاوے مگر خدا تعالیٰ مخالفین کی تمام کوششوں کو نامراد کر کے آپ کو ان تمام مقدمات کے بد نتائج سے بچائے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ بہت سے مقدمات میں جو آپ پر کئے گئے۔ قوموں نے اتفاق کر کے ان مقدمات کے ذریعہ سے آپ کو نیست و نابود کرنا چاہا۔ ان مقدمات میں سب سے پہلا مقدمہ ۱۸۹۷ء میں ہوا اور جیسا کہ مجسٹریٹ کے فیصلہ نے آخر میں ثابت کر دیا یہ مقدمہ محض ایک جھوٹا مقدمہ تھا جو عداوت مذہبی کی وجہ سے پادری صاحبان نے آپ پر بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ مقدمہ سراسر ایک منصوبہ بازی کا نتیجہ تھا جو بعض مسیح کے لیلوں نے جو دشمنوں سے پیار کرنیکا وعظ کیا کرتے ہیں آپکے خلاف کیا۔ اور پادری ڈاکٹر کلارک کو اس میں مستغیث بنایا گیا۔ جن کو بروئے فیصلہ مجسٹریٹ انکے ماتحتوں اور دوسرے پادری صاحبان نے دھوکا دیکر اپنے ساتھ شامل کیا کیونکہ جبتک ایک بڑا آدمی دعویدار بنکر نہ کھڑا ہوتا۔ مقدمہ کی بناوٹ جلدی ظاہر ہو جاتی۔ ڈاکٹر کلارک نے بیان کیا کہ مرزا صاحب نے ایک شخص عبد الحمید کو میرے قتل کرنیکے لئے بھیجا ہے۔ اور بعض پادری صاحبان نے آکر جھوٹی شہادتیں دیں۔ آریہ سماج بھی اس موقع پر نہیں چوکا بلکہ مدت کی مذہبی رنجش کے نکالنے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانکر اپنا پریزیڈنٹ رام بھجدت اس مقدمہ میں مفت وکیل کر کے ڈاکٹر کلارک کی مدد کیلئے بھیجا۔ مسلمانوں میں تو پہلے ہی جوش پھیلا ہوا تھا اور ان جوش پھیلانیوالوں کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی جبہ پہنکر ادائے شہادت کے لئے آموجود ہوئے۔ اور جسطرح یہودیوں کے علما نے حضرت مسیحؑ کے خلاف شور مچایا تھا کہ یہ شخص باغی ہے۔ ایسا ہی بٹالوی صاحب نے بھی آکر شور مچایا کہ یہ شخص فتنہ انگیز ہے۔ اس مقدمہ کے دائر ہونے سے پہلے حضرت مرزا صاحب نے ایک رؤیا دیکھی تھی کہ بجلی ہمارے مکان پر گری ہے مگر اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ہی الہام ہوا۔ ما ھذا

الا تھدید الحکام* - اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ابراء - اور اور بھی کئی الہام ہوئے جو سب شائع کر دیئے گئے - اب ایک طرف تو تین قوموں کا اتفاق ایک اکیلے آدمی کے خلاف اور منصوبہ ہر طرح سے مکمل ہو چکا شہادتیں ہو گئیں اور لاکھوں دشمن ہر آن اس انتظار میں تھے کہ اب مارے گئے - اور بچنے کی کوئی راہ نہیں - مگر دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے وعدے کہ میں ضرور تمکو بری کرونگا - اور مومنین کی قلیل جماعت کی آنکھیں ان وعدوں کی طرف لگی ہوئی تھیں - چنانچہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجسٹریٹ پر اصلیت مقدمہ کو کھولدیا - اور اپنی نصرت اپنے بندے کے شامل حال فرما کر تمام مخالفوں کو ناکام اور نامراد کیا -

اس کے بعد ایک اور فوجداری مقدمہ ۱۸۹۸ء میں آپ پر پولیس کی طرف سے کیا گیا اور اس مقدمہ کی بنا ایک پیشگوئی کو ٹھہرایا گیا جو مولوی محمد حسین بٹالوی کی نسبت آپ نے شائع کی تھی - یہ ایک اشتہار تھا جو ۲۱ - نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا جس میں حضرت مرزا صاحب کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اسکے رفقا کی بد زبانی حد سے گذر گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی - جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ تیرہ ۱۳ مہینے کے اندر محمد حسین بٹالوی اور اس کے رفقاء کو سخت ذلت پہنچیگی جو مثل اس ذلت کے ہوگی جو یہ لوگ خدا کے برگزیدہ کو پہنچاتے رہے ہیں - مقدمہ بنانیکے لئے پولیس نے کہا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اپنی پیشگوئی کو پورا کرنیکے لئے مرزا صاحب نقض امن کریں اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۱۰۷ کے نیچے مقدمہ دائر کیا - جو پیشگوئی حضرت مرزا صاحب نے کی تھی اس کے متعلق تو یہ واقعات ظہور میں آئے کہ انہی دنوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے (جو عام مسلمانوں کے سامنے اپنا عقیدہ در بارہ امام مہدی کے وہی ظاہر کرتے تھے جو اہلحدیث کا عقیدہ ہے یعنی یہ کہ وہ آکر جنگ کریگا اور تمام غیر مسلموں کو قتل کر ڈالیگا) انگریزی میں ایک چھوٹا سا رسالہ چھپوایا جس کی غرض صرف اسے گورنمنٹ میں بھیجنا تھا نہ عام طور پر اشاعت - جس میں یہ ظاہر کیا کہ خونی مہدی کے آنے کی احادیث کو اس نے وضعی اور مشکوک ثابت کیا ہے یہ رسالہ اتفاقاً حضرت مرزا صاحب کے ہاتھ میں آگیا - چنانچہ آپ نے محمد حسین بٹالوی کے اس عقیدے کو پیش کر کے علماء سے یہ استفتا کیا کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ انکے نزدیک کیسا ہے - جس پر تمام علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا شخص دجّال اور ضال اور مضل اور کافر اور مرتد وغیرہ ہے - غرضکہ جو جو فتویٰ محمد حسین بٹالوی کے استفتاء پر علماء نے حضرت مرزا صاحب پر لگایا تھا وہی اب آپ کے استفتا پر محمد حسین بٹالوی پر لگایا گیا - پس پیشگوئی تو اس طرح پوری ہوگئی یعنی جو ذلت محمد حسین بٹالوی نے آپکو پہنچائی تھی ویسی ہی ذلت خود محمد حسین بٹالوی پر اپنے دوستوں کے ہاتھوں سے پڑی - مگر مقدمہ کا فتنہ شروع ہو چکا تھا - اس مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے آپ نے ایک کتاب بنام حقیقۃ المہدی لکھی - جس میں یہ پیشگوئی شائع کی کہ آپ اس مقدمہ میں بری کئے جائینگے - یہ کتاب فیصلہ سے پہلے عام طور پر شائع ہوگئی تھی بلکہ عین کمرہ عدالت کے دروازہ کے سامنے عدالت میں حاضر ہونے سے پہلے بھی شائع کی گئی تھی اور اسی دن اس پیشگوئی کے مطابق آپ کو بری کیا گیا -

۱۹۰۲ء کے اخیر میں دو مقدمے فوجداری ازالہ حیثیت عرفی کے ایک شخص مسمی کرم دین نے جہلم میں آپکے خلاف دائر کئے -

* ترجمہ - یہ صرف حکام کی چشم نمائی ہے اور تم بری کئے جاؤ گے -

اس سے قریباً ایک سال پہلے آپنے ایک رؤیا دیکھا تھا جو اخبار الحکم میں نومبر ۱۹۰۱ء میں شایع ہو چکا تھا کہ آپکے خلاف وارنٹ جاری کئے گئے ہیں مگر آخرکار آپ بری کئے گئے ہیں چنانچہ اس رؤیا کا ظہور ان مقدمات کے ذریعہ ایک سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد ہوا۔ اور آپکے خلاف وارنٹ آئے۔ عدالت میں پیشی کی تاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء تھی۔ انہیں ایام میں آپ ایک کتاب مواہب الرحمٰن لکھ رہے تھے اس کے صفحہ ۱۲۹ پر صریح الفاظ میں آپنے پیشگوئی کی کہ ان مقدمات میں اللہ تعالیٰ آپ کو بری کریگا۔ یہ کتاب ۱۴۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو شایع ہوئی اور جہلم میں احاطہ کچہری میں بھی مقدمہ کے پیش ہونے سے پہلے مفت تقسیم کی گئی۔ اور دو یا تین دن بعد مجسٹریٹ کے فیصلہ نے اس پیشگوئی کو پورا کیا۔

پھر اسی مستغیث نے کتاب مواہب الرحمٰن کے بعض الفاظ کی بنا پر جو اسی پیشگوئی میں درج تھے۔ ایک اور مقدمہ آپ پر دائر کیا۔ اس مقدمہ کے متعلق اول الہام آپکو یہ ہوا۔ یوم الاثنین و فتح الحنین یعنی اس مقدمہ کی فتح جنگ حنین کی فتح سے مشابہ ہوگی جس میں اول مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی مگر پھر وہ سنبھلے اور دشمن کو پامال کیا۔ پھر جب یہ مقدمہ منتقل ہوکر گورداسپور میں پیش ہوا تو اسی دن آپ کو یہ الہام ہوا ساکرمك بعد توهينك یعنی توہین کے بعد تیرا اکرام کرونگا۔ ان تمام الہامات سے یہ خبر ملتی تھی کہ اول اس مقدمہ میں ایک ابتلا پیش آئیگا یعنی اول عدالت کا فیصلہ آپکے حق میں نہ ہوگا مگر آخرکار آپ کی عزت ظاہر کی جائیگی اور آپ کو فتح دیجائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علاوہ اس مقدمہ کے آپکے ایک مرید کی طرف سے ایک مقدمہ مستغیث مذکور پر دائر تھا۔ ان دونوں مقدمات کے متعلق اخیری فیصلہ سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے آپنے یہ پیشگوئی شایع کی کہ ان میں جو مقدمہ آپکے خلاف ہے اس میں مستغیث ناکام رہیگا اور خود وہ کسی دوسرے مقدمہ میں آپکی زد میں آجائیگا۔ یعنی مجرم ثابت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابتدائی عدالت نے ہر دو فریق کو مجرم قرار دیا مگر جو فیصلہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف ہوا تھا اسے عدالت اپیل نے غلط قرار دیا اور یہانتک فیصلہ میں لکھا کہ جو الفاظ مستغیث کی نسبت لکھے گئے ہیں انسے بھی زیادہ سخت الفاظ اگر لکھے جاتے تو بالکل درست ہوتے۔ اور دوسرا فریق سزایاب ہوا۔

یہ فوجداری مقدمات تھے جن میں آپ کو ملزم بنانیکی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ آپکو الزام سے بری ٹھہرایا۔ اور پھر قبل از وقت مقدمات کے آغاز اور انجام کی اطلاع دیکر ان تمام مقدمات کو آپ کی صداقت پر عظیم الشان گواہ بنایا۔ اسکے علاوہ بعض دیوانی اور مالی مقدمات بھی ہوئے۔ اور صرف ایک دیوانی مقدمہ میں آپ کو بحیثیت مدعی دعویٰ کرنا پڑا ورنہ تمام مقدمات آپ کی ذات پر کئے گئے اور خدا نے ان سب حملوں کا دفعیہ کیا۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ جس میں آپ بحیثیت مدعی عدالت میں گئے ایسا تھا جس میں آپ پر سخت ظلم کیا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپکی مسجد اور گھر کی راہ کو ایک دیوار کھڑی کر کے مسدود کر دیا گیا۔ اور اسطرح آپ کو اور آپکے مہمانوں کو سخت تکلیف پہنچائی گئی۔ اس مقدمہ کا نتیجہ بھی آپکے حق میں ہوا۔ ایک دیوانی مقدمہ آپ پر بمقام گورداسپور ہوا جس میں ایک مولوی نے ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ آپ پر کیا۔ اسکی بنا ایک اشتہار تھا۔ جس میں آپنے یہ لکھا تھا کہ اگر کوئی عیسائی یہ ثابت کردیوے کہ

یسوع کے نشانات آپسے بڑھکر ہیں۔ تو آپ اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ عیسائی صاحبان کو تو کبھی جرأت نہ ہوئی مگر ایک مسلمان مولوی نے اس بنا پر ایک ہزار روپے کی نالش کی جو بوجہ عدم ثبوت خارج ہوئی۔ مالی مقدمہ آپ پر ایک ٹیکس کا مقدمہ تھا۔ یعنی اس سلسلہ کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیا گیا مگر عذرداری پر یہ حکم بھی منسوخ ہوا۔ غرضکہ ایک بھی ایسا مقدمہ نہیں خواہ فوجداری ہو یا دیوانی یا مالی جس میں مخالفین کو کچھ بھی کامیابی ہوئی ہو بلکہ بموجب وعدہ الٰہی کل مقدمات میں آج تک فتح آپکے ہاتھ میں رہی ہے۔ تدبر کرنیوالوں کے لئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔

آپکے مباحثات کے متعلق سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں کافی ذکر آچکا ہے۔ اس جگہ یہ امر قابل تذکرہ ہے کہ آپ کو مذہبی مباحثات سے ابتدا سے ہی دلچسپی رہی ہے۔ ان مباحثات میں آپکی غرض نہ صرف مخالف مذاہب کے عقائد باطلہ کی تردید ہی رہی ہے بلکہ زیادہ زور اسلام کی خوبیوں پر دیا گیا ہے۔ بلکہ آپنے کئی دفعہ ایسی تجاویز بھی پیش کی ہیں کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اگر اس پہلو کو اختیار کریں تو مباحثات میں بجائے دوسروں کی عیب شماری کے اپنے مذہب کی ہی خوبیاں بیان کی جاویں مگر کسی قوم نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ گورنمنٹ کو بھی میموریل بھیجا گیا تھا۔ اسپر بھی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن جس صورت میں دوسرے لوگ مذہب اسلام کے متعلق طرح طرح کی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور اسلام کو ناحق بدنام کرنا چاہتے ہیں تو ایک حامئی اسلام کو بھی یہ ضرورت آتی ہے کہ بالمقابل انکے اپنے مذاہب کے نقصوں اور غلطیوں کو کھولکر دکھاوے۔ مباحثات میں اسی اصلاح کی خاطر آپنے ایکدفعہ ایک مذہبی کانفرنس کی تجویز بھی کی تھی جس میں تمام مذاہب کے حامی اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں اور دوسروں پر حملہ نہ کریں۔ آپ کی اس تجویز کو اگرچہ اسوقت منظور نہیں کیا گیا۔ مگر آپکی یہ غرض اس تجویز کی اشاعت کے بعد جلد ہی اس طرح پوری ہوگئی کہ انہی اصول پر لاہور میں ایک بڑے مذہبی کانفرنس کا انعقاد قرار پایا یہ جلسہ دسمبر ۱۸۹۶ء میں ہوا۔ مختلف مذاہب کے پیرووں کے لئے پانچ سوال تجویز کئے گئے تھے کہ ہر ایک حامئ مذہب اپنے مذہب کے روسے ان اہم سوالات کا جواب دے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ انہی دنوں میں حضرت مرزا صاحب بیمار بھی ہوگئے اور اسی بیماری کی حالت میں آپنے ایک مضمون جس میں انہی پانچ سوالوں کے جواب تھے لکھا۔ اور ساتھ ہی آپکو الہام الٰہی سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مضمون تمام مضمونوں پر غالب رہیگا۔ چنانچہ اسی کے مطابق آپنے قبل از انعقاد جلسہ اعلان بذریعہ اشتہار کر دیا جو بہت سے شہروں میں تقسیم بھی ہوگیا۔ پھر جب یہ مضمون جلسہ میں پڑھا گیا تو تمام لوگوں نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ یہ مضمون سب مضمونوں پر غالب رہا۔ اور دیسی اخباروں کے علاوہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

آپکے مباحثات معمولی رنگ کے نہیں بلکہ تمام مباحثات میں آپ اس بات پر زور دیتے ہیں۔ کہ تُو تو مَیں مَیں سے تو کبھی یہ جھگڑے ختم نہیں ہوسکتے بس تمام اہل مذاہب کو چاہیئے۔ کہ اوّل وہ سچے مذہب کے لئے ایک امتیازی نشان قائم کریں اور وہ ایسا نشان ہو جس کا وجود باطل مذاہب میں نہ پایا جاتا ہو تاکہ کھلا کھلا امتیاز ہو جائے۔ اور پھر دیکھیں کہ وہ امتیازی نشان کس مذہب میں پایا جاتا ہے۔ غور کرو تمام اہل مذاہب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہی کے مذہب پر چلنے سے انسان گناہ سے

نجات پا سکتا اور اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ اور انہی کا مذہب تمام نقصوں اور اعتراضوں سے خالی ہے۔ اور انہی کا بانی مذہب بیگناہ اور معصوم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس پر اسکے مخالفین نے اعتراض نہ کئے ہوں اور جس کے نقص شمار نہ کئے ہوں اور نہ ہی کوئی بانی مذہب ایسا ہے جو مخالفین کے اعتراضوں سے بچا ہو۔ اور جسے موافق و مخالف نے بیگناہ تسلیم کر لیا ہو۔ نہ ہی کسی مذہب کا محض یہ دعویٰ کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات پا سکتا ہے یا اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے بلا شہادت کے کسی کام کا ہے۔ یہی شہادت ہے جس سے سچے اور جھوٹے میں مابہ الامتیاز ملتا ہے وہ شہادت کیا ہے۔ وہ ہے آسمانی نشانوں کا ظاہر ہونا یعنی جو مذہب خارق عادت نشانات نہیں دکھا سکتا وہ اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ اسپر چلنے سے انسان گناہ سے نجات حاصل کرتا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتا اور نرا دعویٰ قابل تسلیم نہیں نہ اس سے ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جب اس بات کو ہر ایک اہل مذہب نے تسلیم کیا ہے کہ ابتدا میں خوارق اور نشانات ہی وہ ذریعہ تھے جس سے کسی مذہب کو اسوقت کے دوسرے موجودہ مذاہب پر فوقیت حاصل ہوئی۔ تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو امتیازی نشان صداقت مذہب کا ایک وقت میں تھا وہی امتیازی نشان ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور جب تک وہ نشان کسی مذہب میں پایا جاتا ہو تب تک اس مذہب کو زندہ اور حق پر سمجھنا چاہیئے اور جب وہ نشان گم ہو جاتے ہیں تو وہ مذہب بھی اپنی اصلیت سے پھرا ہوا یقین کیا جائیگا۔ پس اسی امتیازی نشان یعنی خوارق اور آسمانی نشانات کو حضرت مرزا صاحب بار بار پیش کرتے ہیں کہ اس معیار کے رو سے مذاہب کے حق و باطل پر ہونیکا فیصلہ کرو۔ مگر یہ امتیازی نشان کہیں نہیں پایا جاتا سوائے اسلام کے۔ اور اسلام بھی وہ جسے سلسلہ احمدیہ پیش کرتا ہے۔

مباحثات کے علاوہ دوسرا طریق صداقت مذہب کے پرکھنے کا جسکا نشان خدا کی کتابیں دیتی ہیں مباہلہ ہے۔ اوّل ہی اوّل حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو ۱۸۸۶ء کے مباحثہ کے بعد مباہلہ کے لئے بلایا تھا مگر کسی آریہ سماجی نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا۔* ۱۸۹۳ء میں آتھم کے ساتھ مباحثہ کے بعد عبدالحق غزنوی نے آپ سے بمقام امرتسر مباہلہ کیا۔ مگر یہ مباہلہ صرف عبدالحق کی طرف سے تھا۔ اور اس کے بعد کے واقعات نے آپکی صداقت کو اور بھی روشن کر دیا ایک اور رنگ کا مباہلہ کئی آدمیوں نے کیا اور وہ سب مطابق اپنی اپنی دعاؤں کے ہلاک کئے گئے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر قصوری ہے جس نے یہ دعا کی کہ خدا ظالم کو ہلاک کرے اس کے بعد ایک ماہ کے اندر ہی خود ہلاک ہو گیا۔ ایسا ہی مولوی محمد اسمٰعیل علیگڈھی اور بعض اشخاص ہیں۔ اور حال ہی میں چراغدین ساکن جموں جو ایک نیم عیسائی تھا۔ اس نے بھی اسی قسم کا مباہلہ کیا اور چند دنوں میں ہی خود طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ ڈاکٹر ڈوئی مدعی نبوت ساکن امریکہ کو بھی آپ نے ایسے مباہلہ کیلئے بلایا اور ساتھ ہی یہ لکھدیا کہ اگر وہ اس فیصلہ کی راہ پر آنے سے انکار کریگا تو بھی خدا اسکو بغیر سزا نہیں چھوڑیگا۔ اور یہ مضمون امریکہ کے بہت سے اخباروں میں چھپ گیا۔ اور ایسا ہوا کہ ڈوئی نے مقابلہ پر آنے سے انکار کیا اور آخر جاری ہی

* لیکھرام نے اپنی کتاب تکذیب میں مباہلہ کیا اور ہلاک ہو کر حضرت مسیح موعودؑ اور اسلام کی صداقت پر چمکتی ہوئی گواہی دے گیا۔ منہ

سخت عذاب میں پکڑا گیا یعنی فالج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اس کے مریدوں نے اسے سخت ذلیل کیا یعنی اسکو تمام جائداد سے بیدخل کر دیا اور اسکے تمام دعووں کو خاک میں ملا دیا اور اسکو ماننے سے انکار کیا اور اسکی خیانتیں اور شرابخوری اور جوان عورتوں کے ساتھ ناجائز تعلقات ثابت کئے اور اخباروں میں اور شہادتوں کے علاوہ اس کے اپنے خطوط شایع کئے۔ اور اب یہ شخص نہایت ذلت کیساتھ دل کی بیماری میں گرفتار اور خاتمہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی دعوت انبیاء علیہم السلام کی طرح دعوت عامہ ہے۔ اور انبیاء کے طریق پر ہی آپنے بعض بادشاہوں کو خاص طور پر بھی دعوت کی ہے۔ منجملہ انکے امیر عبدالرحمٰن خاں سابق والئے افغانستان ہے۔ اسکو بھی آپنے یہ دعوت کی کہ وہ آپکو قبول کرے۔ آپکے اس خط میں جو ۱۸۹۶ء یا ۱۳۱۳ھ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لکھا گیا۔ ایک فقرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گورنمنٹ کے سچے دل سے خیر خواہ ہیں۔ یہ خط کبھی چھپا نہیں اس لئے میں اس فقرہ کو اسجگہ نقل کرتا ہوں جس میں ایک اسلامی بادشاہ کو خط لکھتے ہوئے آپنے اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکو خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے سمجھا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ "ومرا بحکومت وسلطنت ایں جہاں کارے نیست غریب آمدم وغریب روم و مامورم کہ بلطف ونرمی دلائل حقیت اسلام درین ایام پر آشوب پیش چشم مردم ہر دیار نہم ہمچنیں مرا بدولت وحکومت برطانیہ کہ زیر سایہ ایشاں بامن زندگی بسر کنم تعرضے نیست بلکہ خدارا شکر میکنم وسپاس نعمت او بجا می آرم کہ در عہد چنیں پُر امن حکومت مرا بر خدمت دین مامور کرد وچگونہ شکر ایں نعمت نگذارم کہ بدیں غربت وبیکسی وشور سفہائے قوم باطمینان کار خود تحت حکومت ودولت انگلشیہ میکنم وچناں آرام یافتم کہ اگر شکر ایں دولت نکنم شکر خدائے خود بجا نیاوردہ باشم۔ وایں امر را اگر پوشیدہ داریم ظالم باشیم کہ چنانکہ پادریان ملت نصاریٰ در اشاعت مذہب خود آزادی دارند ہمچنیں آزادی وعدم مزاحمت برائے اشاعت اسلام مانیز حاصل داریم۔ بلکہ منافع ایں حریت وآزادی مارا بیشتر حاصل است زانسان کہ ما اہل اسلام را فوائد این حریت میسر مے شوند دیگراں را زاں نصیبے نیست چراکہ ایشاں بر باطل اند وما بر حق۔ واہل باطل از آزادی سودے نمے بردارند۔ بلکہ ازیں آزادی پردہ شاں بیشتر از پیشتر مے درد"

یہی وجہ ہے کہ آپنے نہ صرف اردو کتابوں میں بلکہ فارسی اور عربی کی کتابوں میں بھی جو اسلامی ممالک میں بکثرت شایع ہوئی ہیں۔ اس گورنمنٹ کی تعریف کی ہے اور اسکے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرا پیغام دعوت جو بادشاہ کی طرف آپنے بھیجا وہ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی طرف تھا جو اول ملکہ معظمہ کی جوبلی کے موقع پر ۱۸۹۷ء میں بذریعہ تحفہ قیصریہ پہنچایا گیا اور پھر تھوڑے دنوں بعد بذریعہ ستارہ قیصرہ جو انگریزی میں ترجمہ کرکے بھیجا گیا۔

آپ کی ان خدمات کا جو آپنے گورنمنٹ انگریزی کے لئے کی ہیں کسیقدر ذکر سلسلہ احمدیہ کے تذکرہ میں آچکا ہے اور کچھ یہاں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسی کتاب آپنے لکھی ہو جس میں اس گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کے لئے

مسلمانوں کو ترغیب ندی ہو۔ ایساہی آپ کی مہدی کے متعلق تعلیم سے مسلمانوں کے عام خیالات پر جو ایک غیر مسلم گورنمنٹ کے متعلق ہونے چاہئیں نہایت نیک اثر پڑا ہے۔

باوجود اسکے کہ پبلک حضرت مرزا صاحب کے متعلق وقتاً فوقتاً پہلو بدلتی رہی ہے۔ اگر آپکی تحریروں کو دیکھا جاوے تو آج کی تحریروں اور آج سے تیس سال پہلے کی تحریروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جن اصول کی تعلیم آپ اُسوقت دیتے تھے انہی اصول کی تعلیم آج دیتے ہیں۔ پُرانی سے پُرانی تحریریں یا خط جو آپکے ملتے ہیں ان میں وہی رنگ تحریر اور بحث کا پایا جاتا ہے جو آج کی تحریروں میں ہے۔ شروع سے آجتک اسلام کی بڑی فضیلت جو دیگر مذاہب پر اسے حاصل ہے آپ ہمیشہ یہی پیش کرتے رہے ہیں کہ اس مذہب میں مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ جاری ہے اور دوسرے کسی مذہب میں نہیں۔ یہ اسلام کی زندہ برکت ہمیشہ آپ اسلام کی صداقت اور زندگی کے ثبوت میں پیش کرتے رہے ہیں اور اسی پر زور دیتے رہے ہیں کیا آج اور کیا آج سے تیس سال پہلے جو کلام الٰہی آپ پر نازل ہوتا ہے اس کے متعلق بھی شروع سے آپ یہ یقین کامل رکھتے ہیں کہ وہ منجانب اللہ ہے۔ اور جہانتک ہم آپکی تحریروں کو پڑھتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کبھی یہ وسوسہ بھی آپکے دل میں آیا ہو کہ شاید یہ کلام منجانب اللہ نہ ہو۔ جو ایمان آپکو ۱۸۶۷ء میں الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ پر تھا وہی آج الہامات پر ہے۔ ایساہی دعا کے متعلق آپ کا ہمیشہ سے وہی یقین اور اعتقاد رہا ہے جو آج ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ آپ کی اور اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور انکو قبل از وقت اس امر کی اطلاع دیتا ہے۔ ایساہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل انبیاءؑ پر فضیلت کے آپ شروع سے ہی قائل ہیں۔ اور آپنے شروع سے ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی انوار اور برکات نازل نہیں ہوتے جبتک کہ کوئی شخص سچے دل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر نہ چلے یہی وہ اصول ہے جو حضرت عیسیٰؑ یا کسی گذشتہ نبی کے دوبارہ دنیا میں آنیکا مانع ہے کیونکہ وہ نبوّت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حاصل کر چکے ہیں۔

قمری حساب کے رو سے آپکی عمر اسوقت قریباً سترّ سال ہے۔ عرصہ ہوا آپکو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے مخاطب فرماکر فرمایا کہ آپکی عمر اسّی سال یا اس کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ یہ وعدہ بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں دیا ہے کہ آپ طبعی موت سے فوت ہونگے۔ اور جو لوگ منصوبے اور کوششیں آپکو قتل کرنیکے لئے کرینگے وہ سب ناکام رہینگے۔ ایساہی یہ الہامات بھی بہت مدت کے ہیں کہ آپ فوت نہیں ہونگے جبتک آپ اپنی اولاد کی اولاد کو نہ دیکھ لیں۔ سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہو چکی۔ غرضکہ کوئی پہلو آپکی زندگی کا ایسا نہیں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ نہ رکھتا ہو ابتدائے عمر سے دو بیماریاں بھی آپکے لاحق حال ہیں جو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہیں کہ مسیح موعودؑ دو زرد رنگ چادروں میں اُتریگا جس سے مراد تعبیر رؤیا میں بیماری ہے۔

آپکی اپنے تقدس کی وجہ سے گھر کے اندر بھی وہی عزت ہے جو گھر کے باہر ہے۔ گھر کے اندر آپکے وقت کا بہت سا حصہ دعا میں گذرتا ہے اور اس غرض کے لئے آپنے ایک نہایت مختصر سا مکان بنایا ہوا ہے جو آپکا بیت الدعا ہے۔ جتنا کوئی شخص آپکے قریب رہتا ہے اسی قدر زیادہ آپکی دعا کی تاثیر پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ قریب رہنے والے دن رات اپنی آنکھوں سے آپکی قبولیت دعا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو شخص آپکے سامنے کوئی مصیبت وغیرہ بیان کرتا ہے

سادہ۔ اگر کسی کا قصور دیکھ بھی لیں تو آپ اغماض فرماتے ہیں۔ بعض اوقات بھری مجلس میں بعض لوگوں نے آپکو برا بھلا کہا ہے۔ اسپر بھی آپ درہم برہم نہیں ہوئے بلکہ اپنے دوستوں کو یہی نصیحت ایسے موقع پر کرتے ہیں کہ وہ جواب نہ دیں۔ طیش اور غضب آپکو اسیوقت آتا ہے جب کوئی شخص

انکے بہتر معنے جانتا ہے۔ صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ صحت عطا فرمائیگا اور مجھے وہ قوتیں عطا فرمائے گا جن سے مَیں خدمت دین کرسکوں واللہ اعلم بالصّواب ۔ اور اس میں یہ بھی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بیوی کو بھی صحت اور تندرستی عطا کریگا ۔ ۲۵ ۔ مئی ۱۹۰۶ء ۔ هل اتاك حديث الزّلزلة ۔ بل یاتیهم بغتة ۔ اگر چاہوں ۔ تو اس دن خاتمہ ۔ اس کے بعد ایک علیحدہ الہام ہوا ۔ دو چار ماہ ۔ ترجمہ مذکورہ بالا عربی الہام کا یہ ہے ۔ کیا تجھے زلزلہ کی بات پہنچی ہے ۔ بلکہ انکے پاس اچانک آئے گا ۔ ۲۷ ۔ مئی ۱۹۰۶ء (۱) اریحك ولا اجیحك واخرج منك قوما ۔ ترجمہ ۔ مَیں تجھے راحت دونگا اور تجھے نہ مٹاؤنگا اور تجھ سے ایک بڑی قوم نکالوں گا ۔ اس کے ساتھ ہی دل میں ایک تفہیم ہوئی جسکا یہ مطلب تھا ۔ "جیسا کہ مَینے ابراہیم کو قوم بنایا" (۲) آفتوں اور مصیبتوں کے دن ہیں ۔ ایک دوست کا ذکر تھا جسپر بہت سے دنیوی مشکلات گر رہے ہیں ۔ فرمایا ۔ یہ الہام اُسی کے متعلق معلوم ہوتا ہے ۔ خدائے عزّ و جل کی پاک وحی ایک نئے مخالف شدہ کے بارہ میں ۔ پڑھنے والے سمجھ لیں ــــــــ ۳۰ ۔ مئی ۱۹۰۶ء (۱) خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں ۔ انپر کوئی غالب نہیں آسکتا ۔ فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے ۔ پر تُونے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا ۔ (۲) برہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں ۔ (۳) ربّ فرّق بین صادقٍ وکاذبٍ ۔ ترجمہ ۔ اے میرے ربّ تو سچے اور جھوٹے میں فرق دکھلادے ۔ (۴) انت تری کل مصلحٍ وصادقٍ ۔ ترجمہ ۔ تُو ہر ایک اصلاح کرنیوالے اور سچے کو دیکھتا ہے ۔ ۳۱ ۔ مئی ۱۹۰۶ء کو فرمایا ۔ چند روز ہوئے مَینے دیکھا تھا (رؤیا) "بہت سے زنبور ہیں اور مَیں انکو کپڑے میں پکڑ کر مار رہا ہوں" ۴ ۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ رؤیا ۔ "دیکھا کہ مَیں ایک جگہ ہوں اور وہاں ایک چادر ایک اونچی جگہ پر رکھی ہوئی ہے ۔ اتنے میں ایک چڑا آیا اور اس چادر پر بیٹھ گیا ۔ تب مَینے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ جسطرح بنی اسرائیل کے واسطے آسمان سے پرند اُترتے تھے اسی طرح ہمارے واسطے ہے ۔ ۵ ۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ (۱) ما ارسل نبیٌّ الا اخزی به الله قوما لا یؤمنون ۔ ترجمہ ۔ کوئی نبی نہیں بھیجا گیا مگر خدا نے اس کی وجہ سے ایک قوم کو رسوا کیا جو ایمان نہیں لاتے تھے ۔ (۲) یلقی الرّوح علیٰ من یشاء من عبادہٖ ترجمہ ۔ خدا اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے نبوّت کی روح اس پر ڈالتا ہے ۔ (۳) خدا کی فیلنگ اور خدا کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا ۔ ۷ ۔ جون ۱۹۰۶ء ۔ بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے دو نام ہوں گے ۔ (۱) بشیر الدولہ ۔ (۲) عالم کباب ۔ یہ دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے اور انکی تعبیر اور تفہیم یہ ہے ۔ (۱) بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لئے بشارت دینے والا ہوگا اس کے پیدا ہونیکے بعد زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئیں گی اور گروہ کثیر ہماری طرف رجوع کریگا اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئے گی ۔ ❦ (۲) عالم کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونیکے بعد چند ماہ تک یا

❦ نوٹ ۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکے کے دو نام اور ہیں (۱) ایک شادی خاں کیونکہ وہ اس جماعت کے لئے شادی کا موجب ہوگا

جبتک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے دنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی گویا دنیا کا خاتمہ ہوجائیگا اس وجہ سے اس لڑکے کا نام عالم کباب رکھا گیا غرض وہ لڑکا اس لحاظ سے کہ ہماری دولت اور اقبال کی ترقی کے لئے ایک نشان ہوگا۔ بشیر الدولہ کہلائیگا اور اس لحاظ سے کہ مخالفوں کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگا عالم کباب کے نام سے موسوم ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا کے سرکش لوگوں کے لئے کچھ اور مہلت منظور ہے تب بالفعل میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں لڑکا نہیں بلکہ لڑکی پیدا ہوگی اور لڑکا بعد میں ہوگا مگر لڑکا ضرور ہوگا کیونکہ وہ خدا کا نشان ہے اور اگر دنیا پر جلد عذاب کا وقت آپہنچا ہے یعنی عذاب عظیم کا وقت۔ تب ابھی لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام بشیر الدولہ اور شادی خاں اور کلمۃ اللہ خاں اور عالم کباب ہوگا اور وہ دنیا کے لئے نیکوں کے لئے اور نیز بدوں کے لئے خدا کا نشان ہوگا یہ اُسی قسم کا نشان ہے جیسا کہ یسعیاہ نبی نے خرقیاہ بادشاہ کے لئے فرمایا تھا اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عنقریب دو نشان ظاہر ہونگے پس اگر دو نشان ظاہر ہونیوالے جو عنقریب ہیں وہ اور ہیں تو اس صورت میں بھی اب کی دفعہ اُنکے گھر میں لڑکی پیدا ہوگی نہیں تو اب کی دفعہ ہی لڑکا پیدا ہوگا اور وہ خدا کا نشان ہوگا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا نشان ظاہر ہوگا اور وہ لڑکا نیکوں کے لئے اور اس سلسلہ کے لئے ایک سعد ستارہ کی طرح مگر بدوں کے لئے اسکے برخلاف ہوگا اسی تاریخ کے اور الہامات یہ ہیں (۱) ربّ ارنی انوارك الکلّیہ۔ ترجمہ۔ اے میرے رب مجھے اپنے تمام انوار دکھا (۲) انی انرتك واخترتك۔ ترجمہ۔ مَیں نے تجھے روشن کیا اور تجھے برگزیدہ کیا (۳) وانّہٗ نازلٌ من السماء ما یرضیك۔ ترجمہ۔ اور آسمان سے ایک ایسا امر اُترنیوالا ہے جو تجھے خوش کر دیگا (۴) دو نشان ظاہر ہونگے۔ (۵) اللہ تعالیٰ اسکو سلامت رکھنا نہیں چاہتا (کسی کی طرف اشارہ ہے) (۶) انا اخذ ناہ بعذاب الیم۔ ترجمہ۔ ہم دردناک عذاب کے ساتھ اسکو پکڑیں گے۔ (۷) خدا تمہیں سلامت رکھے۔ (۸) ینصرك رجالٌ نوحی الیہم من السماء۔ ترجمہ۔ وہ لوگ تیری مدد کرینگے جنکو ہم آسمان سے وحی کرینگے۔ (۹) یاتون من کل فج عمیق۔ یاتیك من کل فج عمیق۔ ترجمہ۔ ہرایک دور کی راہ سے لوگ آئیں گے ہرایک دور کی راہ سے تیرے پاس تحائف لائیں گے۔ (۱۰) سلامٌ علیکم طبتم۔ ترجمہ۔ تم پر سلام تم پاک ہو (۱۱) ولا تصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ ترجمہ۔ اور جو لوگ تیری پاس آئیں گے تجھے چاہیئے کہ اُنسے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت کو دیکھ کر نہ تھک جائے۔ ۱۱۔جون ۱۹۰۶ء۔ (۱) رؤیا۔ دیکھا کہ پندرہ سولہ نوجوان عورتیں خوبصورت اور نہایت خوش لباس پہنے ہوئے میری سامنے آئی ہیں میں نے اس خیال سے کہ یہ جوان عورتیں ہیں مونھ اُنسے پھیر لیا اور اُنسے پوچھا کہ تم کیسے آئی ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو آپکے پاس ہی آئی ہیں پھر انہوں نے وہیں ہمارے دالان میں ڈیرے لگا دیئے۔ فرمایا۔ رؤیا میں عورت سے مراد اقبال اور فتحمندی اور تائید الٰہی ہوتی ہے اس رؤیا میں یہ بھی معلوم ہوا کہ انہیں عورتوں میں وہ بھی ایک عورت تھی جو پہلے کبھی آئی تھی۔ فرمایا اس میں اشارہ ایک پرانے رؤیا کی طرف تھا جو حضرت والد صاحب کی وفات کے چند یوم بعد میں نے دیکھا کہ میں ایک پیڑھی پر بیٹھا ہوں تو ایک عورت نوجوان عمدہ لباس پہنے ہوئے تیس بتیس سال کی میرے سامنے آئی اور اس نے کہا کہ میرا ارادہ اب اس گھر سے چلے جانیکا تھا مگر تمہارے لئے رہ گئی ہوں (۲) ایک زلزلہ کا نظارہ دکھائی دیا اور ساتھ ہی اسکے الہام ہوا۔ لمن الملك الیوم۔ للہ الواحد القھار۔ ترجمہ۔ آج ملک کس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ واحد قہار کا ہے

باہتمام حکیم فضل الدین صاحب مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منیجر میگزین کے لئے چھاپا گیا